ولایت غدیر

آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ

کتاب نامہ

نام کتاب : ولایت غدیر

تالیف : آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ (دام ظلہ)

ترجمہ : سید امتیاز حیدر جہانیاں پوری

ناشر : حسینی مشن۔ ایل ۵/۱۰۸/۴۵۶ سجاد باغ لکھنو

سال طبع : ۲۰۰۳ء

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : ۳۵ روپے

ملنے کا پتہ

عباس بک ایجنسی

رستم نگر درگاہ حضرت عباس علیہ السلام لکھنو ۳

فون:, 2647590

2001816

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

قران کریم میں پروردگار عالم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس" (سورہ مائدہ ۶۷)

"اے رسول جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہو چکا ہے اسے پہنچا دیجیئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے کار رسالت انجام نہ دیا، خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا".

جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رسالت کے دوران بارہا اشاروں اور کنایوں سے ولایت علی علیہ السلام کو واضح کر چکے تھے لیکن گیارہویں ہجری کے ۱۸ ذی الحجہ کو امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں کو بلند کر کے نہایت ہی واضح انداز میں آپ کی خلافت اور ولایت کا اعلان فرمایا، اور صدیاں گذرنے کے باوجود واقعہ غدیر آج بھی لوگوں کے دلوں میں

ویسے ہی تازہ ہے.

اعلان کے وقت سے لیکر آج تک اسلامی سماج اس واقعہ کو مقدس نگاہ سے دیکھتا ہے اس واقعہ میں حکم خدا سے ولایت الٰہی وصی اکبر امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اورآپ کی پاک ذریت کے حوالہ کی گئی جوامت اسلامی کے لئے ہادی، اور گمراہی سے نجات دینے والی ہے.

اسی مناسبت سے غدیر کے پس منظر اور اس سے پیدا ہونے والی بیداری میں لوگوں کی بالعموم شرکت کی غرض سے حسینی مشن نے اس کتاب کو نشر کرنے کے لئے کمر ہمت کسی یہ کتاب فقیہ اہل بیتؑ حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ دام ظلہ العالی کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جسے جناب نے واقعہ غدیر کے محرکات وعوامل، اسکے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے ،اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے اب تک اسلامی سماج جن مشکلات سے دوچار رہاہے اس پر روشنی ڈالنے کی غرض سے بیان فرمایا ہے۔

آپ کے بیان کی اہمیت اس وجہ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ آپ عمیق اسلامی بصیرت کے مالک ہیں اور وسیع افکار ودانش کی بنا پر سماجیات کے متعلق خاص نظریہ رکھتے ہیں اس کے علاوہ آپنے سالہاسال اس پرچم اہل بیت کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے کہ جو جادۂ رسالت اور اسلامی سماج کے اندر ان کے بنیادی کردار کو نمایاں کرتا ہے۔

اسی طرح ان سوال جواب کو بھی لوگوں کے سامنے لانے کی شدت سے ضرورت محسوس ہورہی تھی جو آپ سے کئے گئے تھے، قارئین کو اندازہ ہوگا کہ آپ نے غدیر اور صاحب غدیر کے متعلق اپنی منفرد فکر کے تحت جو تجزیہ اور تحلیل کیا ہے اور شبہات کا جس

پیارے انداز میں ازالہ کیا ہے وہ کس درجہ اسلامی سماج کے ہر طرح کے اختلاف سے پاک اور امت واحد بن کر رہنے کی آپ کی خواہش کی غماضی کرتا ہے. چنانچہ ہماری کوشش ہے کہ ہم مومنین کے سامنے صاحب کتاب کے الفاظ کے ذریعہ حقیقی تصویر پیش کریں، آخر میں پروردگار عالم سے دعا گو ہیں کہ ہمیں ملت اسلامی کی فلاح و بہبود کی راہ میں سعی و کوشش اور غدیر کے مقدس پیغام کے پہنچانے میں اسی طرح کامیاب کرے جیسے اپنے پاک اور صالح بندوں کو کامیابی عطا کرتا ہے۔ والسلام۔

حسینی مشن

لکھنئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلہ الطیبین واصحابہ المنتجبین وعلیٰ جمیع انبیاء اللہ المرسلین.

بیعت غدیر

واقعہ غدیر ایسا واقعہ ہے جس نے تمام مثبت اور منفی نظریات کے مقابل پوری اسلامی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا، اور اپنے اندر سمیٹ لیا اور اسلامی سماج کو بھی متأثر کیا لہٰذا ہم اس واقعہ سے سرسری طور پر نہیں گذر سکتے اور نہ ہی اسکو ایسے زاویہ سے دیکھ سکتے جو صرف اپنے مذہبی عناصر کے اندر محدود ہو اور تاریخ سے اسکا کوئی ربط نہ ہو بلکہ واقعہ غدیر کا اسلامی تاریخ کے ایک جزء کے لحاظ سے مطالعہ کرنا چاہئے۔

جب ہم غدیر کے متعلق مطالعہ کرتے ہیں تو روز غدیر پیغمبر اسلام کے معروف جملہ ,,من کنت مولاہ فھٰذا علیّ مولاہ،، کے متعلق اتنی کثرت سے روایات نظر آتی ہیں کہ ممکن ہے تواتر کی حدتک پہنچ جائیں.

جیسا کہ صاحب غدیر اپنی دقیق علمی تحقیق کے اندر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں ایک سودس صحابیوں نے اس حدیث کومختلف طریقوں سے روایت کیا ہے نیز تابعین کی ایک بڑی جماعت نے بھی اسے روایت کیا ہے،لہٰذا علمی زاویہ سے حدیث کی سند میں شک کی کوئی گنجایش نہیں رہ جاتی۔

تبلیغ ولایت

پروردگار عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''یا ایھا الرسول بلغ ماانزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ '' اے رسول جو آپکے پروردگار کی طرف سے نازل ہو چکا ہے اسے پہنچادیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا کوئی کار رسالت انجام نہ دیا (سورہ مائدہ ٦٧)اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے''الیوم اکملت لکم دینکم اتممت علیکم نعمتی رضیت لکم الاسلام دینا،،

''آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہوگیا''۔(سورہ مائدہ ٦٧)

یہ دونوں آیتیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی جانب سے نازل ہوئیں ہیں اسمیں

ایک طرح کی تہدید (دھمکی) پائی جاتی ہے اور سخت لہجہ مسئلہ کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے ان آیتوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک خاص حکم کی تبلیغ پر مامور کیا ہے خدا اپنے حبیب کو ڈرایا دھمکا نہیں رہا ہے بلکہ اس خطاب کے ذریعہ عوام الناس کو اپنے حکم کی اہمیت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے، قارئین توجہ فرمائیں کہ اپنے رسول کو جسے خدا نے خود اپنا حبیب کہا ہو اور جس نے خدا کی مرضی کے مطابق اپنی ساری زندگی گزاری ہو اسے دھمکانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ: جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے پلٹ رہے تھے اور سورج کی تپش عروج پر تھی، ظہر کا وقت تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک" مسئلہ ولایت علی علیہ السلام کا ہے، چونکہ نزدیک ہے آنحضرت دعوت حق کو لبیک کہیں۔

لہٰذا امت کو ایسے سرپرست اور ولی کے بغیر نہیں چھوڑا جا سکتا جو اس کے امور کو منظم کرے اور اسکی قیادت کرے۔ اور یہ ولی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفس اور آپ کا بھائی ہے ایسا انسان ہے جس نے اپنی زندگی کا آغاز آغوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا اس کا اخلاق، ارادہ اور علم وہی ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

اس کا جہاد ایسا ہے کہ جہاں تک کوئی مسلمان نہیں پہنچ سکتا مساوی یا برتر ہونا تو دور کی بات ہے۔

"وان لم تفعل فما بلغت رسالته،، لوگوں کے درمیان علی علیہ السلام کی ولایت کا اعلان نہ کرنا رسالت پیغمبرؐ کے لئے قطعی خطرہ ہے اگر نبیؐ امت کے درمیان ولایت

علی علیہ السلام کی تبلیغ نہیں کرتے تو گویا انھوں نے کار رسالت انجام نہیں دیا.

کیونکہ امت کو ایسے ولی اور سرپرست کے بغیر چھوڑنا جو انھیں اس راہ میں کمال کی منزل پر پہنچائے جسے خود آنحضرتؐ نے شروع کیا ہے اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا اسلام نابود ہو جاتا جس طرح آپ کے وصال کے بعد اسلام کے بعض احکام نابود ہو گئے ، پروردگار عالم نے نبیؐ کے اس خوف (کہ لوگ کہیں گے اپنے چچازاد بھائی کو امیر بنادیا) کو دور کرنے کی غرض سے فرمایا'' **واللہ یعصمک من الناس** '' ہم نے جس طرح تبلیغ رسالت کی ابتداء میں مشرکین اور منافقین کے شر سے محفوظ رکھا اسی طرح اس وقت بھی تمھاری حفاظت کریں گے۔

جلیل القدر صحابی ابوسعید الخدریؓ راوی ہیں:

پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ قافلہ ٹھہر جائے وہ بھی ایسے مقام پر جہاں نہ تو کوئی سایہ تھا نہ ہی ٹھہرنے کیلئے مناسب جگہ تھی۔ قافلہ ٹھہرا ہودج اکٹھا کر کے منبر بنایا گیا اس پر پیغمبر اسلام کھڑے ہوئے اور علیؑ کے ہاتھوں کو پکڑ کرا تنا بلند کیا کہ دونوں کے بغل کی سفیدی نمایاں ہوگئی، اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا: **ایھا الناس ،یوشک ان ادعی فاجیب ،الست اولی بالمومنین من انفسھم ؟قالوا :اللھم بلی فقال صلی اللہ علیہ وسلم اللھمّ اشھد ،ثم قال :الا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ،اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیثما دار ،الا ھل بلغت ؟ قالوا بلی .قال اللھم اشھد** (بحار الانوار ج۴، ص۲۰۳)

اے لوگو میں جلد ہی دعوت حق کو لبیک کہنے والا ہوں، کیا میں تمھارے نفوس پر تم

سے زیادہ حق نہیں رکھتا ؟سب نے کہا ہاں (رکھتے ہیں) تو آپ نے فرمایا پروردگارا تو گواہ رہ پھر فرمایا: آگاہ ہو جاؤ جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں پروردگارا اسکو دوست رکھ جو اسکو دوست رکھے، اسے دشمن رکھ جو اسے دشمن رکھے، اس کی مدد کر جو اسکی مدد کرے اسے ذلیل فرما جو اسے رسوا کرے اور حق کو ادھر قرار دے جدھر یہ ہو، کیا میں نے (تم تک) پیغام الٰہی پہنچا دیا؟ سب نے کہا ہاں؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پروردگارا تو گواہ رہ؛

لیکن اسکے بعد غلط تاویل وتفسیر کا سلسلہ شروع ہو گیا بعض نے کہا ''من کنت مولاہ'' سے مراد یہ ہے کہ جو مجھ کو دوست رکھتا تھا وہ علی کو دوست رکھے بعض نے کہا مراد نصرت ہے یعنی جو میری نصرت کرتا تھا وہ علی علیہ السلام کی نصرت کرے؛ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے ولایت و جانشینی کے معنی مراد نہیں ہوتے ہیں۔

یہاں پر قابل غور امر یہ ہے کہ جب کسی لفظ کے متعدد معانی ہوتے ہیں تو کلام میں موجودہ قرائن سے اس کے حقیقی معنی کا پتہ چلتا ہے۔ عوام الناس سے رسول اکرمؐ کے اس سوال سے کہ کیا میں تمہارے نفوس پر تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خدا نے مجھے مومنین پر اولویت (ولایت) عطا کی ہے لہذا میں حکم خدا سے یہ ولایت علی علیہ السلام کے سپرد کرتا ہوں بنا برایں جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں؛ اس وقت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے (چوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ ولایت کر چکے تھے) اور فرمایا (الیوم اکملت لکم دینکم) (آج ہم نے تمھارے دین کو کامل کر دیا) جب تک اعلان ولایت نہیں ہوا دین ناقص تھا ولایت کا اعلان ہوا تو دین کامل ہو گیا اور تم پر ولایت علیؑ کے ذریعہ جو کہ نبوت کا تسلسل ہے (اتممت علیکم نعمتی) اپنی نعمت تم پر تمام کر دی

(ورضیت لکم الاسلام دینا) اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہوگیا لہٰذا اسلام کی راہ پر ولایت علی علیہ السلام کے ساتھ قدم بڑھاؤ جس نے اسلام کی خدا اور حق کی راہ میں قیادت کی.

ولایت کے معنیٰ حاکمیت کے ہیں

لہٰذا موجودہ قرینہ کے تحت سمجھ میں آتا ہے کے ''من کنت مولاہ'' سے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد حاکمیت ہے اور علی علیہ السلام آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولی ہیں۔ اس لئے کہ کلمہ مولیٰ اگر حاکمیت کے معنیٰ کو بیان نہ کرے تو مذکورہ مقدمہ کا اس موضوع سے کوئی ربط نہ ہوگا چوں کہ آنخضرتؐ نے بعد میں فرمایا (الھم وال من والاہ) آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس جملہ میں آئندہ کے حاکم کی نصرت کے متعلق دعا گو ہیں اور حاکم کو لوگوں کی مدد، عزت اور ہر حال میں حق کے ہمراہ ہونے کی ضرورت ہوتی ہے.

ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے (من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ) کی تفسیر کی ہے ''جو مجھے دوست رکھتا ہے وہ علی علیہ السلام کو بھی دوست رکھے اور جو میری نصرت کرتا تھا وہ علی علیہ السلام کی نصرت کرے لیکن جب ہم غور کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ (اس دوستی اور نصرت کے لئے بلکہ وہ تمام معنیٰ جو مسلمانوں نے کئے ہیں) اس درجہ اہتمام کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا کرنے کی ضرورت تھی کہ پروردگارا جو انکی مدد کرے اسکی مدد فرما جو انہیں ذلیل کرے اس کو رسوا کر اور حق کو ادھر قرار دے جدھر یہ ہوں؛

پیغمبرؐ کے اعلان کرنے کے بعد خیمہ نصب کیا گیا تا کہ لوگ مبارک باد دیں! اور پروردگار عالم نے یہ آیت نازل فرمائی آج میں نے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہو گیا۔

لیکن افسوس منافقین نے شک وشبہ پیدا کرنے اور اسے پھیلانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تا کہ حقیقت پر پردہ پڑ جائے اور واقعیت سے بے خبر رہیں یہ ایسا نہیں ہے کہ یہ ساری کوششیں صرف پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں کی گئیں بلکہ خود علی علیہ السلام ان صحابہ سے گواہی دلانے پر مجبور ہو گئے جو واقعہ غدیر میں موجود تھے اور جنھوں نے پیغمبر ﷺ کو ,,من کنت مولاہ،، کہتے اور عمل کرتے سنا اور دیکھا تھا شک وشبہ پیدا کرنے کی کوششیں گرچہ اس عظیم واقعہ کو مسلمانوں کے اذہان سے مٹا نہ سکیں لیکن ایسے تلخ واقعات کا باعث بنیں جن کے آثار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں.

ولایت رسالت کی تکمیل اور اسکا تسلسل ہے

ولایت نبوت کا وہ تسلسل ہے جس کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کی رسالت مکمل ہوتی ہے، یہ بات قابل غور ہے کہ پیغمبر ﷺ کی رسالت دنیا میں صرف اسلامی حکومت کے قیام سے مکمل نہیں ہو جاتی بلکہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ انسانوں کو پورے اسلام سے آشنا کرائے کیونکہ ہدف صرف مسلمانوں کی حکومت نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کا مقصد اور نصب العین یہ ہے کہ مسلمان فکری، جذباتی، عملی، عقیدتی، اور قانون کی نظر سے اسلام کو پوری طرح سے سمجھ لیں چنانچہ رسول خدا ﷺ کے بعد اسلام کے

مستقبل کا مسئلہ کہ اسلام اس صورت میں آگے بڑھتا رہے جس طرح اسے قرآن اور رسول اکرمؐ نے پیش کیا ہے یہ مسئلہ حکومت سے براہ راست مربوط ہے.

اسی بنا پر ہمیں "یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته واللہ یعصمک من الناس "اور" الیوم اکملت لکم دینکم ......" سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان آیات میں رسول اسلام کی رسالت کے آخری دنوں میں اسلامی معاشرے کے روزمرہ کے احکام سے ہٹکر نہایت اہم حکم بیان کیا جارہا ہے، اور یہ کیسا حکم ہے جس کے بجالانے سے رسول اسلام کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اور خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کے گزند سے محفوظ رکھنے کی بات کررہا ہے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حکم، ولایت کے حکم کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوسکتا جو کہ رسول اکرمؐ کے نسبی اور سببی رشتہ دار سے متعلق ہے

کیوں علی علیہ السلام ولایت کیلئے منصوب ہوئے؟

اس مقام پر ہمارے لئے جو سوال پیدا ہوتا ہے اور جس کے متعلق ہمکو سوچنا چاہئے وہ یہ ہے کہ کیوں علی علیہ السلام کو متعین کیا گیا؟ وہ کون سا راز ہے جسکی بنا پر ولایت و خلافت کے لئے منتخب کیا گیا؟ جبکہ علی علیہ السلام جوان تھے اور مسلمانوں کے درمیان عمر میں آپ سے بڑے افراد موجود تھے؟ اور اس وقت رسم یہ تھی کہ جو سن رسیدہ ہوتا تھا وہ مقدم ہوتا تھا چنانچہ قبائل اپنے درمیان بزرگ شخص کو قبیلہ کا سردار بنایا کرتے تھے.

اس کا جواب یہ ہے کہ علی علیہ السلام کی ولایت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا استمرار

عام منصبوں اور قبائل کی سرداری سے بالکل مختلف تھا یہاں پر ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس منصب کا اہل ہو اور اس کو صحیح طرح سے انجام دے سکے، ایسے شخص کی ضرورت تھی جو علم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہو اور لوگوں کو اسلامی احکام و معارف کی تعلیم اس طرح دے جس طرح رسول اسلامؐ چاہتے تھے.

ایسے شخص کی ضرورت تھی جس نے راہ اسلام میں اس طرح جہاد کیا ہو کہ اسلام اسکے رگ و پے میں سما گیا ہو۔

ایسے شخص کی ضرورت تھی جس کے نزدیک اسلام کے مقابل دنیا کوئی قیمت نہ رکھتی ہو اور اس منصب کے مقابل قدرت و سلطنت کو کچھ نہ سمجھے۔

ایسے شخص کی ضرورت تھی جس سے لوگ سوال کریں اور وہ کسی سے سوال نہ کرے۔

ایسا شخص کون ہے؟

اگر ہم قوم و قبیلہ اور عصبیت سے بالا ہو کر تلاش کریں تو ہمیں ایک ہی ذات نظر آئے گی اور وہ ہیں علی بن ابی طالب علیہ السلام.

سارے مسلمانوں نے اسلام لانے سے پہلے بتوں کی پرستش کی لیکن علی علیہ السلام کی واحد ذات ایسی ہے جس نے کبھی بھی کسی بت کی پرستش نہیں کی اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی پرورش و تربیت کی اور اپنی سیرت پر آپ کو سنوارا جیسا کہ خود حضرتؑ فرماتے ہیں:''
كنت أتبعه إتباع الفصيل إثر امه ''(بحار الانوار ج ۱۴ ص ۴۷۵) میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پیچھے اس طرح چلتا تھا جیسے اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے.

جس جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے علی علیہ السلام بھی تھے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عبادت، صداقت اور امانت پائی جاتی تھی علی علیہ السلام میں بھی پائی جاتی تھی آپ نے اپنی مجاہدانہ زندگی کا آغاز مکہ سے کیا، آپ نے اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا جب مشرکین اپنے بچوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر مارنے اور گندگی پھینکنے کیلئے بھیجتے تھے، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کو خطرہ تھا تو آپؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سوئے تاکہ کفار سمجھیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بستر پر سو رہے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی، آپؑ ہجرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی امانتوں کیلئے امین بنے اور ان امانتوں کو واپس کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ آگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں آپ نے شب و روز گذارے یہاں تک کہ جب وحی آتی تو آنحضرتؐ فرماتے:

''انک تسمع مااسمع و لکنک لاتریٰ''

''جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہو بس دیکھتے نہیں''.

(بحارالانوار ج ۱۴ ص ۴۷۶)

آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس طرح رہتے جیسے ایک شاگرد اپنے استاد سے مستفید ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ کو علم کے ایک ہزار باب تعلیم فرمائے اور آپ کیلئے ہر باب سے ایک ہزار باب کھل گئے، آپؑ نے علم پیغمبرؐ پوری طرح حاصل کر لیا یہی وجہ ہے کہ کسی جھوٹے راوی نے بھی نقل نہیں کیا ہے کہ حضرتؑ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

زندگی میں یا اس کے بعد آنحضرتؐ کے علاوہ کسی اور سے کوئی سوال کیا ہو، آپ اسلامی سماج کی ایسی علمی شخصیت ہیں جس نے لوگوں کی مشکل حل کی ہے اور آپ کو کسی سے کوئی حاجت نہیں رہی ہے۔

آپؑ کی مجاہدانہ زندگی بھی نظیر نہیں رکھتی آپ بدر، احد، احزاب، خیبر، اور حنین کے سورما رہے ہیں، بدون وقفہ اپنی تلوار سے پیغمبر ﷺ کی حمایت کی ہے اور اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ نصرت پیغمبر ﷺ کیلئے ہر لحظہ آمادہ رہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا زہد

آپ اپنے زمانے کے زاہد ترین فرد تھے جب آپ نے سیدۃ النساء العالمین حضرت زہراء سلام اللہ علیہا سے عقد کیا تو آپ کے پاس سوائے تلوار اور زرہ کے مال دنیا سے کچھ نہ تھا آپ نے اپنی زرہ بیچی اور اس سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مہر ادا کیا اور گھر مہیا کیا اور آپ جس طرح زاہدانہ زندگی گذار رہے تھے پیغمبر ﷺ اسلام کے بعد بھی ویسے ہی زندگی گذری اسکی وجہ یہ تھی آپؑ نے دنیا کو تین مرتبہ طلاق دی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایمان، عصمت، شجاعت، حکمت، علم، زہد، جہاد، اور خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ اخلاص میں آپؑ کی کوئی نظیر نہیں ملتی لہٰذا آپؑ کی ذات ہے جو صحیح منزل پر لاسکتی تھی جیسا کہ خلیفہ ثانی نے کہا: علی المحجة البیضاء ''اگر خلافت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہوتی تو لوگوں کو راہ سعادت کی طرف ہدایت کرتے۔

خلافت کیلئے امام علی علیہ السلام کی اہلیت

یہاں پر ہم بات کو طول نہیں دینا چاہتے بلکہ مسئلہ پر غور وفکر کرنا چاہتے ہیں آیئے اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں، سوال یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور دیگر اصحاب میں کیا فرق ہے؟ کیا فرق قرابتداری ہے؟ کیوں صرف علی علیہ السلام ہی اسلامی معاشرے پر ولایت رکھنے کے اہل ہیں؟ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل، درایت، اخلاق اور سلوک ہی کی بنا پر اسلام پروان چڑھا ہے آپؐ کی ذات کا رسالت میں قران کے ہمراہ بنیادی حیثیت کی حامل ہے اگر خدا نے کسی اور شخص کو قران دیکر بھیجا ہوتا، خواہ وہ سجا سجایا اور سونے کے پانی سے لکھا ہوا ہی کیوں نہ ہوتا، تو وہ کسی کو بھی اسلام کی طرف راغب نہیں کر سکتا تھا قران کتاب صامت تھی اس کے ہمرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن ناطق تھے (یعنی آپ رسالت قرآن کو بیان کرنے والے تھے) آپ نے اپنی خصوصیات، شخصیت، معنویت کی بنیاد پر مسلمانوں کو صحیح اور سیدھی راہ پر گامزن کیا اور راستے کی رکاوٹوں کو دور کیا۔

میں صحابہ کے تمام احترام کے ساتھ پھر یہ سوال پیش کرتا ہوں کہ وہ کون ہے جو اس ذمہ داری و مسئولیت کو سنبھال سکے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجام دے رہے تھے؟۔

بعض لوگ علی علیہ السلام کی صرف مجاہدانہ زندگی کو سامنے رکھتے ہیں اور آپ کی فکر و تدبیر کا مطالعہ نہیں کرتے صرف ایک پہلو کو سامنے رکھ کر کسی کی شخصیت کا مطالعہ ہمکو صحیح نتیجہ اخذ کرنے سے دور رکھے گا۔

اگر ہم علی علیہ السلام کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کی اہل ایک ہی ذات ہے اور وہ ہیں حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام۔

اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے ہر ایک اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی نہ کسی طرح شرک کا مرتکب ہوا چونکہ ماحول میں شرک تھا گرچہ شرک کے یہ مزمن ترشحات اسلام سے وفاداری میں مانع نہیں ہیں لیکن ایسی شخصیت بننے کیلئے مانع ہیں جو سراسر اسلام کا مظہر ہو.

علی علیہ السلام کا بچپن آغوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذرا لہذا آپؑ کا بچپن بھی ہر قسم کی جاہلیت و شرک سے محفوظ رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل اسکے کہ مبعوث بہ رسالت ہوں آپ کی تربیت فرمائی آپؑ کو اپنا اخلاق اپنی معنویت، بزرگی و کرامت عطا فرمائی اس مقام پر خود حضرت نے نہج البلاغہ میں فرمایا:

> تم لوگوں کو رسولؐ کی نسبت ہماری قرابت اور مخصوص منزلت کا اچھی طرح اندازہ ہے آپؐ نے مجھے اپنے حجرے میں رکھا جبکہ میں طفل صغیر تھا مجھے اپنی آغوش میں لیتے تھے اور اپنے بستر پر سلاتے تھے آپ کا جسم مبارک میرے بدن سے ملا ہوتا تھا اور اپنے بدن کی خوشبو سے میرے مشام کو معطر فرماتے تھے آنحضرتؐ غذا کو پہلے اپنے دندان مبارک سے ریزہ ریزہ کرتے تھے پھر لقمہ بنا کر مجھ کو کھلاتے تھے (بالکل اسی طرح جیسے ماں اپنے بچے کو کھلاتی ہے)۔

انھوں نے مجھے کبھی جھوٹ بولتے یا خطا کرتے نہیں پایا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے تھے اگر کوئی جھوٹ بولتا تو آپؐ کو تکلیف ہوتی، سچائی آپ کی

ذات میں رچی بسی تھی.

آنحضرت ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں:

جیسے آنحضرت ﷺ سے دودھ چھڑایا گیا پروردگار عالم نے اپنے سب سے بڑے ملک (جبرائیل) کو مامور کیا کہ شب و روز آپ کے ہمراہ رہے اور آپ کی مکارم اخلاق اور سچائی میں راہنمائی کرے اور میں ہمیشہ پیغمبرؐ کے پیچھے پیچھے ایسے ہی رہتا تھا جیسے بچہ ماں کے پیچھے لگا رہتا ہے. پیغمبر ﷺ ہر روز اخلاق سے متعلق نئی بات مجھ کو بتاتے اور اپنی پیروی کرنے کا حکم دیتے تھے، آنحضرتؐ ہر سال کچھ مہینے غار حراء میں گذارتے تھے اور صرف میں آنحضرتؐ کا مشاہدہ کرتا تھا میرے علاوہ کوئی دوسرا آپ کو دیکھنے پر قادر نہیں تھا ان دنوں اسلام اگر کسی گھر میں تھا تو وہ خود آنحضرتؐ کا گھر تھا حضرت خدیجہ بھی ساتھ تھیں اور تیسرا میں تھا میں وحی اور نور رسالت دیکھتا تھا اور اپنے مشام کو خوشبوئے نبوت سے معطر کرتا تھا، جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو شیطان کے نالہ وشیون کو سنتا تھا جب آنحضرتؐ سے پوچھا کہ یہ کس کے رونے کی آواز ہے تو حضرتؐ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا ہے پھر فرمایا: یا علی علیہ السلام جو میں سنتا ہوں تم سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو فقط تم نبی نہیں ہو بلکہ میرے وزیر ہو بلاشبہ تم خیر پر ہو۔

حضرت علی علیہ السلام کا عہد طفولیت

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اپنے گھر میں تربیت اور پرورش کیلئے علی

علیہ السلام کو اتفاقی طور پر انتخاب نہیں کیا تھا اس لئے کہ علی علیہ السلام کے دوسرے بھی بھائی تھے اور ان کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف علی علیہ السلام کی پرورش کی ذمہ داری قبول کی آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بہ قدم چلے اور ہر جگہ آپ کے حضور میں رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طفولیت سے ہی حضرت علی علیہ السلام کو اپنے اخلاق وکردار کے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا تھا.

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح صادق و امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب تھا ویسے حضرت علی علیہ السلام کو بھی اس لقب سے یاد کیا گیا اور ان میں صداقت وامانت بطور اتم موجود تھی۔

ایک شخص حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم فرمایئے جس سے میں آپ سے ایک قدم اور نزدیک ہو جاؤں. حضرتؑ نے فرمایا: دیکھو علیؑ نے کس طرح پیغمبرؐ کے نزدیک برتری حاصل کی؟ بلاشبہ آپ نے سچائی اور امانت کے ذریعہ قربت و برتری حاصل کی۔

آنحضرتؐ نے علی علیہ السلام کی تربیت کی تاکہ آپؐ کی تصویر ہوں . جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر تھی وہی آپ کی فکر ہو اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کرتے تھے اسی طرح عبادت کریں۔

علی علیہ السلام بھی آپ کے لئے بہترین شاگرد ثابت ہوئے اور آنحضرتؐ کے نقش قدم پر چلے.

آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرت نے خود فرمایا:

میں آپ کے ہمراہ ایسے ہی چلتا تھا جیسے اونٹ کا بچہ اپنی ماں کے ہمراہ چلتا ہے

(حضرتؑ نے اسے درخت خرما اور اسکے قلم سے تعبیر کیا ہے جسمیں ایک یا دو قدم
سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا)

اونٹ کا بچہ اپنی ماں سے دور نہیں ہوتا اس کے قدم بہ قدم چلتا ہے اسی طرح علی علیہ السلام رفتار، گفتار، کردار، اخلاق، معنویت، عبادت، طرز فکر، سیر وسلوک خلاصہ یہ کہ ہر لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ وروش پر گامزن تھے.

فرزند ایمان

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی تربیت کی ہے تو حضرت علی علیہ السلام بچپن ہی سے علم، معرفت، بصیرت کے حامل تھے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اسلام کی دعوت دی تو آپ نے دیگر بچوں کی طرح اسلام قبول نہیں کی جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے علی علیہ السلام ہیں، حضرت علی علیہ السلام کا بچپن علم ومعرفت سے سرشار تھا یہاں پر ہمیں حضرت علی علیہ السلام کی عمر سے سروکار نہیں ہے بلکہ ان کی معرفت اور بصیرت پیش نظر ہے.

بہت سے بچے ایسے ہوتے ہیں جو بچپن ہی میں عقل وبصیرت کی اعلی منزلیں طے کر لیتے ہیں اس کے برخلاف بڑی عمر کے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑکپن کے باوجود بچوں کی طرح سوچتے ہیں اور انکی عقل بچوں جیسی ہوتی ہے اس لحاظ سے بلوغ کا نہ ہونا عقلی بلوغ کے نہ ہونے کا لازمہ نہیں ہے. بہت سے افراد نظر آئیں گے جو بچپن میں ہی حیرت انگیز بصیرت وعقل کے مالک تھے۔ بالخصوص اس وقت جب استاد، عقل

کل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں.

آنحضرتؐ نے علی علیہ السلام کو اسلام کی دعوت دی تو ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اسلام حضرت علی علیہ السلام کی عقل، روح، شعور میں رچ بس چکا تھا کیونکہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث بہ رسالت ہونے سے قبل اور اس سے پہلے کہ خدا آپؑ پر ظاہری طور پر وحی نازل کرتا آپکی روح، عقل اور شعور اسلام اور رسالت خداوندی سے سرشار ہو چکے تھے کیونکہ خدا نے آپؑ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا تھا

سیرت کی بعض کتابوں میں ملتا ہے علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا:

کیا آپ نے رسول اسلام پر ایمان لانے میں اپنے والد سے مشورہ کیا تھا؟ حضرتؑ نے جواب دیا: پروردگار عالم نے میری خلقت میں میرے والد سے مشورہ نہیں کیا تو پھر مجھے خدا و پیغمبرؐ پر ایمان لانے میں اپنے والد سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کے روحی اور فکری بلوغ پر دلالت کرتی ہے.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد امام علی علیہ السلام نے حضرتؐ کی دل و جان سے حمایت کی جیسا کہ بعض سیرت کی کتب میں نقل ہوا ہے کہ حضرتؑ ہر مرحلے میں آپؐ کے ہمراہ تھے اور رسول اسلام نے آپ کی تعلیم تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جیسا خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

جب کوئی آیت مجھ پر نازل ہوتی تو ہر ایک سے پہلے اسے علی علیہ السلام سنتے صرف آپؑ ہیں جن کو رسولخداؐ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا آپؑ کو

معلوم ہے کہ کون سی آیت کب، کہاں، اور کس مناسبت سے نازل ہوئی اوراس کی تاویل وتفسیر کیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

جب جبرئیل علیہ السلام رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی لیکر آتے تھے تو میں سنتا تھااوراس مطلب کوخود آنحضرتؐ نے بھی فرمایا ہے'' انک تسمع ما اسمع و انک لاتریٰ ما اریٰ'' جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہوبس جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے۔

معنوی آمادگی

علی علیہ السلام کے اندر معنوی اورروحانی آمادگی اس وجہ سے اورزیادہ تھی کہ آپ ہمیشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہتے تھے جب آنحضرتؐ مسجد الحرام تشریف لے جاتے تو علی علیہ السلام آپ کے پیچھے دائیں طرف کھڑے ہوتے اور حضرت خدیجہؑ آپ دونوں کے پیچھے نماز کیلئے کھڑی ہوتیں بلکہ حضرت ابوطالب بھی حاضر ہوتے اور حضرتؑ سے فرماتے: میرے بیٹے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ نماز پڑھو۔

حضرت علی علیہ السلام عبادت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہرگز جدا نہ ہوتے سب سے پہلا گھر جس میں اسلام نے نورافشانی کی اسمیں رسولؐ خدا، علیؑ اور خدیجہؑ موجود تھیں ناگفتہ نہ رہ جائے کہ اس گھر کے افراد کو رشتہ اورقرابت نے جمع اور ایک دوسرے کے نزدیک نہیں کیا تھا بلکہ ان کے درمیان محور اسلام تھا اس نے انھیں ایک دوسرے سے

مرتبط کردیا تھا یہ ایسا گھر تھا جس نے اپنے فرائض کوانجام دیا رسولؐ خدا نے اسلام کی دعوت دی، حضرت خدیجہؓ نے اپنے مال سے حمایت کی اور حضرت علیؑ نے جانبازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اپنی تلوار سے اسلام کا دفاع کیا اور اپنی عقل سے حق کا دفاع کیا یہ بھی کسی پر پوشیدہ نہیں ہے آنحضرتؐ نے علی علیہ السلام کو ہجرت کے راز سے آگاہ کیا، آنحضرتؐ چاہتے تھے کہ اس طرح آپ کا اخلاص و جانبازی عیاں ہو جائے آپ سے کہا علی میرے بستر پر چادر اوڑھ کر سو جاؤ تا کہ دشمن سمجھے میں بستر پر سو رہا ہوں۔ اور علیؑ آنحضرتؐ کے بستر پر بغیر کسی خوف و ہراس کے نہایت اطمئنان کے ساتھ سوئے۔ آپؑ نے آنحضرتؐ کی سلامتی کو اپنی جان پر مقدم کیا، بس آپ کی ذات ہے جس پر رسولؐ خدا نے اعتماد کیا اور جو امانتیں آپ کے پاس تھیں انھیں پلٹانے کے لئے آپؑ ہی کے سپرد کیا۔

حضرت علی علیہ السلام ہر لمحہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے

آپ مکہ میں قدم بہ قدم رسولؐ خدا کے ہمراہ ہوتے تھے اور ان بچوں سے آپ کی حفاظت کرتے تھے جو آپ کو تکلیف پہچانا چاہتے تھے اور اس بستر مرگ پر علی علیہ السلام اس وجہ سے سوئے کہ آپ کی نظر میں رسول اسلام کی ذات کو ہر شئی پر فوقیت اولویت حاصل تھی لہذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے اپنے بستر پر سونے کو کہا تو آپ نے اپنی سلامتی کے متعلق سوال نہیں کیا جبکہ آپ کے عنفوان شباب کی ابتداء تھی، بلکہ عرض کیا:

''اَوَتسلم یارسول اللہ؟ قال: بلیٰ! قال: اذہب راشداً مہدیاً'' یارسول

اللہ کیا آپ (میرے سونے سے) محفوظ و سلامت رہیں گے؟ تو
آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں آپؐ نے کہا: پھر اس طرف تشریف لے
جایئے جدھر آپ کو خدا نے حکم دیا ہے.

حضرت علیؑ ہر مرحلے میں پیغمبرؐ کے ہمراہ رہے چاہے وہ عبادت ہو یا جہاد. اور جب حضرت علیؑ نے جناب سیّدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے ساتھ شادی کی تو اسی وقت علیؑ کا گھر رسولؐ خدا کا گھر تھا۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ جب سفر سے واپس آتے تو اپنی ازواج کے گھر جانے سے پہلے علی علیہ السلام کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

ان خصوصیات کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری طرح سے درک کیا تھا اور آنحضرتؐ کی آپ کو پوری معرفت تھی آپؑ کی عقلی و علمی صلاحیتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا ثمرہ تھیں۔ خود حضرتؑ فرماتے ہیں:

"علمنی رسول الله الف باب من العلم يفتح لی من كل باب الف باب" رسولؐ خدا نے مجھے علم کے ایک ہزار باب تعلیم فرمائے اور ہر باب سے میرے لئے ایک ہزار دروازے کھل گئے"

اس طرح رسولؐ خدا سے شیعہ و سنی دونوں نے ہی اس معروف حدیث کو نقل کیا ہے:

۱۔ انا مدينة العلم و علیّ بابها.
میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

۲۔ علیّ مع الحق و الحق مع علی يدور معه حيث ما دار
علی علیہ السلام حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے علیؑ حق کا محور ہیں۔

۳۔ اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الاّ انه لا نبیّ بعدی.

کیا تم اسپر راضی نہیں ہو کہ میری نسبت تمہیں وہی منزلت حاصل ہو جو ہارون کو موسیٰ کی نسبت حاصل تھی بس میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان برادری قائم کی اور ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا تو علی علیہ السلام نے دریافت کیا کہ شکایت کی کیوں مجھ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا: ''انت اخی'' تم میرے بھائی ہو اور مجھے اپنا بھائی قرار دیا۔

جب ہم علی علیہ السلام کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روش ورویہ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری چیزیں قرابت ورشتہ داری سے کہیں بالا ہیں بلکہ رشتے ناطے کا ذکر بھی نہیں ہے اس لئے کہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ پروردگار عالم نے ابولہب کی مذمت میں سورہ نازل کیا ہے اور ابوجہل کی مذمت میں کوئی سورہ نازل نہیں فرمایا جبکہ ابوجہل دشمنی اور کینہ توزی میں کہیں زیادہ خطرناک تھا۔

"وماینطق عن الهویٰ ان هو الاّ وحی یوحی".

''آپ اپنی مرضی وخواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ جو کہتے ہیں وہ وحی ہے جو آپ پر نازل ہوئی ہے''۔(النجم ۳۔۴)

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ نکتہ ہمارے لئے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ صرف علی علیہ السلام کی ذات ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمی، ثقافتی، اعتقادی اور شرعی مشن کو جاری رکھ سکتی ہے اور آنحضرتؐ کے اسلوب، تجربہ اور دفاعی اصول کو عملی بنا سکتی ہے۔

مردمیدان

آپؑ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، میدان جہاد آپ کا منتظر تھا، بدر، احد، احزاب، حنین اور خیبر جیسے معرکوں میں آپ سب سے آگے تھے آپ کی ذات اور آپ کا جہاد تھا جو اسلام اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا باعث ہوا خود آنحضرتؐ نے مختلف مواقع پر آپؑ کے جہاد کی تعریف کی ہے:

۱. **لافتیٰ الاّ علی لاسیف الاّ ذوالفقار**

اگر کوئی مرد ہے تو علی ہیں اور اگر کوئی تلوار ہے تو ذوالفقار ہے

۲۔ معرکہ خندق میں بے نظیر جملہ نظر آتا ہے:

برز الایمان کله الیٰ کفر کله کل ایمان کل کفر کے مقابلہ پر ہے۔

(بحار ج ۳۹ ص ۳)

۳. **ضربة علیّ خیر من عبادة الثقلین**

علی علیہ السلام کی ایک ضربت عبادت ثقلین سے افضل ہے۔ (بحار ج ۳۹ ص ۳)

۴۔ اسی طرح جنگ خیبر میں آنحضرتؐ کا زرین کلام نظر آتا ہے:

لاعطینّ الرایة غداً رجلاً یحب الله و رسوله کرّاراً غیر فرار لایرجع حتیّ یفتح الله علیٰ یدیه

کل میں ایسے کو علم دونگا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور اس کا رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے وہ کرّار غیر فرّار ہوگا وہ نہ پلٹے گا مگر خدا اس کے ہاتھوں فتح عطا کرے گا۔

آنحضرتؐ نے ہر اسلامی معرکہ میں علیؑ کے عظیم اور بنیادی کردار کی طرف اشارہ کیا ہے اور آپ کی نصرت و جانفشانی کی تعریف کی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

رسولؐ خدا نے کسی بھی صحابی کے متعلق اس طرح نہیں فرمایا جس طرح علی علیہ السلام کے متعلق فرمایا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسکی وجہ یہ تھی آنحضرتؐ نے آپ کی پرورش کی تھی اور آپ سے شدت سے لگاؤ تھا؟ یا پھر یہ کہ آپ آنحضرتؐ کے چچازاد بھائی تھے؟ اور اگر آنحضرتؐ کے پاس دوسری بیٹیوں کا ہونا صحیح فرض کرلیا جائے تو اس مرحلے میں بھی آپ فرید نہیں ہیں۔

یہ بھی آپ کے ذہن میں رہے کہ پیغمبرؐ اپنی مرضی و خواہش کے مطابق کلام نہیں کرتے وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (سورۂ نجم ۳۔۴)

لہٰذا یہ طے ہو چکا کہ نبیؐ کے یہاں کوئی ذاتی خواہش نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ ہے وہ مرضی الٰہی ہے، تو پھر کیوں علی علیہ السلام کے متعلق آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

انامدینة العلم وعلی بابھا۔

میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں (بحار ج ۴۴ ص ۱۰۷)

انت ولی کل مومن و مؤمنة۔

تم ہر مومن و مومنہ کے ولی ہو۔

علی مع الحق والحق مع العلی۔

علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہیں (بحار ج ۲ ص ۲۲۶)،

اَما ترضیٰ بان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی.

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی بس میرے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا ہے۔

(بحار ج ۱۰ ص ۴۸۴)۔

اور حضرت موسیٰ سے ہارون کی نسبت کے متعلق قرآن میں اس طرح ذکر ہوا ہے:

''واجعل وزيراً من اهلی هارون اخی اشدد به أزری واشرکه فی امری کی نسبحک کثيراً و نذکرک کثيراً .

میرے کنبہ والوں میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا دے اور اس کے ذریعہ میری پشت مضبوط کر دے اور میرے کام میں اسکو میرا شریک بنا تاکہ ہم دونوں مل کر کثرت سے تیری تسبیح کریں۔

(سورہ طٰہٰ ۲۹)۔

آنحضرتؐ سے علی علیہ السلام کے متعلق اس درجہ احادیث کیوں ہے جبکہ آنحضرتؐ کے اصحاب اپنی ذاتی خصوصیات واحترام کے ساتھ کثرت سے موجود تھے؟ اس مسئلہ کی کیا تاویل کی جاسکتی ہے؟

کیا رسولؐ خدا کا مقصد یہ تھا کہ لوگ صرف جذباتی لگاؤ کی بنا پر آپؐ سے محبت کریں اگر یہ مقصد تھا تو اس درجہ احادیث کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جو بھی آپؐ کو جانتا تھا

اس پر آپؑ کی محبت کو فرض کر دینا کافی تھا اور حضرت علی علیہ السلام کے پاس جو فضائل تھے بالخصوص جو آپ کے دینی، معنوی، اور عسکری فضائل ہیں ان کے پیش نظر ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان ان سے محبت نہ کرے ہاں مگر جس کے دل میں کینے جیسی بیماری ہو۔

حضرت علی علیہ السلام ہر دل عزیز شخصیت

اگر کوئی علی علیہ السلام کی علمی، معنوی، جہادی شخصیت اور آپؑ کے خلوص سے آشنا ہو تو آنجناب کے مقابل خضوع اور آپ سے محبت کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہے چاہے شیعہ ہو یا سنی، مسیحی یا کوئی بھی۔

پیغمبرؐ کے بعد آپ کی شخصیت کی نظیر نہیں ملتی چنانچہ مسیحی شاعر (روپولص سلامہ) کہتا ہے:

''اے آسمان تو گواہی دے اور زمین تو اقرار کر اور خضوع کے ساتھ پیش آ کیوں کہ میں نے علیؑ کا نام زبان پر جاری کیا ہے''۔

اگر انسان عقل سلیم، وسعت قلب اور انصاف کا حامل ہو تو علی علیہ السلام سے ضرور محبت کریگا اس محبت کیلئے قرآن کی تاکید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کی ضرورت نہیں ہے، اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر تاکید فرمائی ہے تو آپ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ صرف جذباتی لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام سے محبت کریں کیوں کہ جن کے دل بیمار ہیں وہ نہ خدا کو دوست رکھتے ہیں نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکن جن کے دل میں مرض نہیں ہوتا وہ بہر حال حقیقت کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے.

چنانچہ ان امور سے سمجھ میں آتا ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مسلمانوں کے سامنے ایسی شخصیت کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی کہ آپ علم کل کے مالک ہیں آپ کے اور حق کے درمیان اتنا گہرا رشتہ ہے کہ آپ مظہر حق ہیں لہٰذا جس طرح ہم اپنے ذہن میں حق کو تصور کرتے ہیں اسی طرح خارج میں حق کو علی علیہ السلام کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں.

لہٰذا جو شخصیت اس منزل پر فائز اور ایسے مقام کی حامل ہو وہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کار ہدایت ورہبری کی ذمہ داری نبھا سکتی ہے

علی علیہ السلام ہر مرحلے اور مقام میں اول ہیں بطور مثال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "علی أقضاکم".

"تمہارے درمیان سب سے بہتر قضاوت کرنے والے علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں"۔ (البحارج ۱ص ۴۴۵)

اسی طرح آپ کے جہاد کے متعلق بعض احادیث کو آپ نے ملاحظہ کیا۔ علی علیہ السلام کی ذات مظہر کمال ہے لہٰذا کوئی بھی علی علیہ السلام کی برابری نہیں کرسکتا، اور غدیر میں بیعت کا واقعہ بالکل طبیعی امر تھا اور پھر اس مقام پر پروردگار عالم کا حکم ہوا "یــا ایهــا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (مائدہ ۶۷)" اے رسولؐ پہنچادو جو تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہو چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولایت علی علیہ السلام کی تبلیغ کی تاکید کی گئی ہے چنانچہ ولایت کوئی شرعی حکم نہیں ہے جسمیں تاخیر وتساہل وسستی کی جائے (گرچہ پیغمبرؐ اس سے بھی منزہ

ہیں) بلکہ یہ اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے اس نئی قیادت کی ہی صورت میں ہر مرحلہ اور ہر میدان میں مقصد نبویؐ اپنی حیات کو جاری رکھ سکتا ہے.

ہر ایک کو علی علیہ السلام کی ضرورت ہے

خلافت کو دو زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے اول یہ کہ خلافت مسلمانوں کے امور اور اسلامی سرزمین کی نگرانی ور یکھ دیکھ کیلئے ہو اور اس میں نظم وضبط پیدا کرے اگر خلافت صرف اس مقصد کے لئے ہو تو اس کے لئے کسی غیر معمولی اور استثنائی فرد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس جگہ ایسا شخص جس میں مناسب شرط پائی جاتی ہوں کفایت کریگا۔

لیکن اگر ہم خلافت کو دوسرے زاویہ سے دیکھیں اور اسے ایک دینی رکن کی حیثیت سے سامنے رکھیں تو اندازہ ہوگا کہ پروردگار عالم نے امت کی ہدایت کے لئے رسولؐ کو مبعوث کیا، قرآن نازل فرمایا تا کہ اسلام کو لوگوں کے عقل وقلب میں جاگزین کرے لہذا رسولؐ کے بعد جو شخص آپ کا جانشین ہو اس میں بھی وہ خصوصیات ہونی چاہئیں جو رسولؐ میں تھیں اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت، اخلاق اور علم کا مظہر ہونا چاہئے تا کہ آپؐ کی تحریک کو منزل مقصود تک پہنچا سکے.

اگر ہم غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین نے صحیح طرح سے کار رسالت اور تبلیغ اسلام انجام نہ دینے دیا لہذا مسلمانوں کے اندر روشن فکری اور اسلام کے متعلق گہرائی اس طرح پیدا نہ ہوسکی جو حق تھا. اس کے پیش نظر ایسے فرد کی ضرورت تھی جو اس کمی کو پورا کر سکے اور اسلام کو اس کی تمام گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مسلمانوں کے قلب

وروح میں استوار کرے.

اس کے پاس ایسا علم ہو جو ہر سوال کا جواب اسی طرح دے سکے جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیا کرتے تھے ایسا باب رحمت ہو کہ مشکلات اور دشمنوں کے خوف کے وقت لوگ اس کے پاس پناہ حاصل کریں اور دشمنوں کے عسکری وثقافتی حملوں کے وقت اسے مضبوط قلعہ سمجھیں.

جب ''خلیل ابن احمد الفراہیدی'' سے دوسروں پر علی علیہ السلام کو مقدم کرنے کے متعلق سوال ہوا تو جواب دیا:

ہر ایک آپ کا محتاج ہے اور آپ کو کسی کی ضرورت نہیں ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ امام کل ہیں''

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے کسی سے سوال نہ کیا لیکن سب نے آپ سے سوال کیا یہاں تک کہ وہ خلفاء بھی آپ کے محتاج تھے جن کو مقدم کیا جاتا ہے، تاریخ کے اندر خلیفہ ثانی کا جملہ معروف ہے

لو لا عليٌ لهلک عمر.

اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتے۔ (بحار ج ۴۰ ص ۲۹۸)

لا ابقاني الله لمعضلة ليس لها ابو الحسن.

خدا مجھے کسی ایسی مشکل میں قرار نہ دے کہ جس میں ابوالحسن نہ ہوں''۔

یہ وہ جملے ہیں کہ جنھیں تمام مسلمانوں نے نقل کیا ہے لہٰذا خلافت وحکومت ایسے شخص کی محتاج ہے کہ جو مجسم اسلام ہو اسکی عقل، روح، اخلاص، معنویت، عبادت وقوت ہر ایک سے برتر ہو، تاکہ ہر مقام پر نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بننے کی اہلیت رکھتا ہو۔ جیسا کہ

خداوند عالم نے آیۂ مباہلہ میں فرماتا ہے:

قل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم و نسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم"۔

"کہہ دو (اچھا میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو (بلائیں) تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی جانوں کو (بلائیں) اور تم اپنی جانوں کو"۔ (سورۂ آل عمران آیت ۶۱)

اور رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا

اور پروردگار عالم نے فرمایا:

فان لم تفعل فما بلّغت رسالته.

اگر تم نے تبلیغ ولایت نہ کی تو گویا کار رسالت انجام نہیں دیا۔

پروردگار عالم کا یہ خطاب اپنے اس رسولؐ سے ہے جس نے کار رسالت انجام دینے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اس حکم کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر اسے نہ پہنچایا تو گویا رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت انجام ہی نہیں دی.

اس کے بعد خدا فرما رہا ہے (خدا تمھیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا) اس زمانہ میں ممکن تھا لوگ منافقین اور کافروں کے پروپگنڈوں کے زیر اثر یہ کہہ سکتے تھے کہ دیکھو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے داماد اور چچازاد بھائی کو مسند ولایت پر بٹھا دیا ہے۔

شیعوں کے علاوہ علماء اہل سنت نے بھی روایت کی ہے اور ان علماء نے اس بات کی تائید کی ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر رسول اسلامؐ نے ظہر کے وقت تپتی دھوپ میں لوگوں کو پڑاؤ ڈالنے کے لئے حکم دیا اور اس طرح مخاطب ہوئے:

یا ایہا الناس! نزدیک ہے کہ میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں (بعض راویوں نے اس موقع پر حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب بتائی ہے)۔
آپ نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے سوال کیا: کیا میں تمہارے نفوس پر تقدم نہیں رکھتا؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں، یا رسول اللہ، تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدایا تو گواہ رہ.

رسول اسلام کا یہ فرمانا کہ کیا میں مومنین کے نفوس پر خود ان سے زیادہ حق اور اولویت نہیں رکھتا ہوں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاکیت کی دلیل ہے، قران میں ارشاد ہو رہا ہے:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم یعنی پیغمبر اسلام مومنین کے نفوس پر خود ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں.

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صفتیں ہیں بشیر اور نذیر، بشیر یعنی بشارت دینے والا اور نذیر یعنی ڈرانے والا، گذشتہ آیت میں رسول خدا کی جس حاکیت کا اعلان کیا گیا ہے رسول اللہؐ نے غدیر خم میں اسی حاکیت کو حضرت علی علیہ السلام کی طرف منتقل فرمایا ہے اس کے بعد رسول اکرمؐ نے فرمایا:

"کیا میں نے خدا کا حکم پہنچا دیا خدا تو شاہد رہ، پھر فرمایا: میں جس کا مولا ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں خدایا جو علی کو دوست رکھے تو اسے دوست رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ اور جو علی کی مدد کرے تو اسکی مدد کر اور جو علیؑ کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے ذلیل کر اور جہاں علی علیہ السلام ہوں حق کو وہاں قرار دے۔"

علی علیہ السلام کل حق ہیں

حضرت علی علیہ السلام کل حق ہیں جب علی علیہ السلام کے افکار، اخلاق، روش، خضوع وخشوع اور آپ کی سیرت پر نظر ڈالیں تو آپ کو ایسی ذات نظر آئے گی جو صرف اور صرف خدا کی عاشق ہے اور اس کے عشق کی کوئی حد نہیں ہے"

"فھبنی یا الٰھی و سیدی و مولائی وربّی صبرت علیٰ عذابک فکیف اصبر علیٰ فراقک"

(اے میرے پروردگار! سید و مولا میں نے مانا کہ میں تیرے عذاب پر صبر کر سکتا ہوں لیکن تیرے فراق پر کیسے صبر کر سکتا ہوں)۔

(اس لئے کہ عاشق کیلئے معشوق کا فراق نا قابل تحمل ہوتا ہے)

"وھبنی یا الٰھی صبرت علیٰ حر نارک فکیف اصبر عن النظر الیٰ کرامتک".

"بالفرض میں تیرے جہنم کی گرمی کو برداشت کرلوں لیکن تو مجھ سے اپنی نظر کرم پھیر لے میں کیسے صبر کروں گا"۔

میں ہر روز اسکے مختلف الطاف و کرم کو محسوس کرتا ہوں، اپنے دل میں اسکی ٹھنڈک، عقل میں اسکی تابش اور زندگی میں اسکی پائداری کو درک کرتا ہوں.

اگر حضرت علی علیہ السلام کے متعلق انصاف کے ساتھ غور سے سوچیں تو اس بحث سے کہ کون افضل ہے کنارہ کش ہو جائیں گے اور فوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام سب سے افضل ہیں کسی کا بھی آپ سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا

بلکہ آپ سے کسی کا موازنہ کرنا اور یہ کہنا کہ کون افضل ہے حرام ہے. اس لئے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کون ہے جو مجسم اسلام ہو؛ علی علیہ السلام کی فراست، جہاد، بندگی، تواضع اور معنویت بلکہ ہر وہ چیز جو اسلام سے دور و نزدیک کسی بھی جہت سے تعلق رکھتی ہے اس میں علی علیہ السلام کا کوئی ثانی نہیں ہے آپؑ سے افضل ہونا تو بہت دور کی بات ہے. یہ بات ہم تعصب اور اندھی محبت یا جذبات میں نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ وہ حقیقت ہے جسمیں کسی طرح کا شک نہیں ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے لئے کیوں علی علیہ السلام ہی سزاوار ہیں (تاریخ کے مطالعہ سے) یہ میرا استنباط ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سی مشکلات من جملہ جنگیں، مدینہ کی داخلی صورت حال اور یہودیوں اور منافقین کی سازشوں کی بنا پر اسلام کے منصوبوں پر پوری طرح سے عمل کرنے کا موقع نہیں ملا لہذا حضرت علی علیہ السلام کے (کمالات وفضائل) پر توجہ کرتے ہوئے ہم یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ صرف حضرت علی علیہ السلام ہی کی ذات تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تکمیل کر سکتی تھی.

حضرت علی علیہ السلام نبیؐ کے بعد

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو نہایت تلخ تجربوں سے گذرنا پڑا آپ اپنے کو یکہ وتنہا محسوس کرتے تھے، تنہا سوچا کرتے تھے، مصائب کو تنہا تحمل کرتے تھے، اور مشکلات وخطرات کا تن تنہا مقابلہ کرتے تھے، آپؑ اچھی طرح

جانتے تھے کہ آپؑ چکی کی کیل کی حیثیت رکھتے ہیں اور چکی کی کیل ایک ہوتی ہے لہذا وہ بھی تنہا ہیں.

زمین و آسمان کے علوم کی چوٹی ہیں لہذا دریائے علم آپ سے جاری ہے آپ کی عظمت اور مقام تک انسانی طائر فکر پہنچنے سے عاجز تھا آپ کو معلوم تھا کہ اس دریا سے لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے جس کا آپ کو شدید دکھ تھا"

ان ھاھنا لعلماجما لو وجدت له حملة"۔

"میرے سینے میں دریائے علم موجزن ہے۔کاش اسے کوئی حاصل کرنے والا پاتا"۔

حضرت کسی ایسے فرد کی تلاش میں نہیں تھے کہ جسے اپنے علم کا کچھ ابتدائی حصہ تعلیم فرمادیں بلکہ آپ نہایت اور کمال علم منتقل کرنا چاہتے تھے۔(نہج البلاغہ حکمت ۱۴۷)

آپ اس وجہ سے طالبان علم کی تلاش میں تھے کہ آپ علم کو پھیلانا چاہتے تھے نہ کہ اس کے ذریعہ آپ اپنی منزلت اور اقتدار کو بڑھانا چاہتے ہوں.

مگر افسوس علی علیہ السلام اس قوم کے درمیان تنہا اور غریب تھے علی علیہ السلام کی مشکل یہ تھی کہ آپ ایسی قوم کے درمیان زندگی گذار رہے تھے جو آپ کو سمجھنے سے عاجز و قاصر تھی. لہذا اپنے درد کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اس شوریٰ سے خدا کی پناہ! میں کس وقت خلافت میں ان کے فرد اول کے متعلق تردید کا شکار تھا جو آج شوریٰ کے افراد کے ساتھ مساوی ہو جاؤں اور اب لوگ مجھے ان کی طرح سمجھنے لگیں

اوران کی صف میں قرار دیں؟ میں نے مجبوراً اپنے کو ضبط کیا اور
ان کے ساتھ ہماہنگ ہوا"۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ا باب ۳، ص ۱۸۴).

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو بدترین حالات اور سخت ترین مرحلوں سے گذرنا پڑا، آپ نے اسلام کی حفاظت کے لئے اپنے ذاتی مفادات سے چشم پوشی کی، اگر آپؑ خلافت کے خواہاں تھے تو وہ بھی اسلام ہی کی خاطر تھا، ان مشکل حالات میں سب سے اہم مسئلہ جو آپ کے سامنے تھا وہ لوگوں کا اسلام سے منحرف ہو جانا تھا، گر چہ ظاہری طور پر اسلام نے کافی ترقی کر لی تھی لیکن اسلامی معارف واحکام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی طرح لوگوں کے رگ و پے میں سما نہیں سکے تھے.

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حکمت عملی یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کے پرچم تلے آجائیں اسی بنا پر حدیث میں ملتا ہے کہ جس نے اپنی زبان پر کلمہ شہادتین جاری کیا اس کی جان و مال اور آبرو محفوظ تھی (**من قال لااله الّا الله محمد رسول الله حقن بها ماله و دمه و عرضه**)

اسی امر پر سورۂ حجرات کی چودہویں آیت دلالت کرتی ہے، کچھ بادیہ نشین عرب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا:"

قَالَتِ الاعرابُ آمنّا قُل لَم تُؤ مِنُوا و لٰکِن قولوا أسلمنَا وَ لَمّا یَدخُلِ الإیمَانُ فِي قُلوبِکُم"(سورۂ حجرات ۱۴)

عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ایمان لائے اے رسولؐ کہدو کہ تم
ایمان نہیں لائے بلکہ (یوں) کہو کہ اسلام لائے حالانکہ ایمان کا تو
ابھی تک تمہارے دلوں میں گذر ہوا ہی نہیں ہے۔

غصب خلافت کے بعد آپؑ کا موقف

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور اس منصب کی لیاقت نہیں رکھتا لیکن حالات تبدیل ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپؑ کو اس حساس منصب سے محروم کر دیا گیا.

اب دیکھنا یہ ہے کہ خلافت کے غصب کئے جانے کے بعد علی علیہ السلام نے کون سی حکمت عملی اختیار کی؟ کیا آپ ایسے فرد تھے کہ جو ہر ممکن صورت میں اپنا حق حاصل کرنے کی فکر میں ہو اور یہ خواہش اسلام و مسلمین کے لئے مشکل کا باعث ہوتی ہے تو ہوا کرے؟

آپ کی نظر میں اسلام کی مصلحت ہر چیز پر مقدم تھی خود حضرتؑ اہل مصر سے اپنے ایک خط میں اس طرح فرماتے ہیں:

"حتیٰ رأیت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام یدعون الیٰ محق دین محمد صلّی الله علیه و آله فخشیت ان لم انصر الاسلام و أهله ان اریٰ فیه ثلما او هدما تکون المصیبه به علی اعظم من فوت ولایتکم التی انما هی

متاع ایام قلائل یزول منها ما کان کما یزول السراب او
کما یتقشّع السحاب فنهضت فی تلک الاحداث حتیٰ
زاح الباطل و زهق ، و اطمانّ الدین و تنهنه" .

"(میں نے انکو ان کے حال پر چھوڑ دیا) یہاں تک کہ دیکھا لوگوں کا ایک گروہ مرتد ہوگیا اور اسلام سے برگشتہ ہوکر دین محمد صلّی اللہ علیہ و آلہ کو مٹانا چاہتا ہے، مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام و مسلمانوں کی مدد نہ کروں تو اسمیں مجھے رخنہ و ویرانی دیکھنا پڑے گی جس کی مصیبت و اندوہ میرے لئے تمھاری ولایت اور تم پر حکومت کرنے کے فوت ہوجانے سے کہیں زیادہ تھا ایسی ولایت و حکومت جو چندروزہ ہے جو کچھ اس سے حاصل ہوگا زائل ہوجائے گا جس طرح سراب (کہ جسکی طرف پیاسا پانی سمجھ کر جاتا ہے اور جب قریب پہنچتا ہے تو) زائل ہوجاتا ہے۔ یا بادل جو پراکندہ ہوجاتا ہے تو میں ان حوادث کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا (انکی مدد کی اور انھیں مشکلات سے نجات بخشی) یہاں تک کہ باطل مہار ہوا اور مٹ گیا (اور دین کو مرتدوں اور تباہی مچانے والوں کے فتنہ سے) اطمئنان و سکون حاصل ہوا".

(نہج البلاغہ خط ۶۲)

پھر دوسرے مقام پر حضرتؑ فرماتے ہیں:

لولا حضور الحاضر قیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ
اللہ علیٰ العلماء ان لایقاروا علیٰ کظۃ ظالم ولاسغب
مظلوم لالقیت حبلها علیٰ غاربها و لسقیت آخرها

بکاس اولها و لاَلفیتم دنیا کم هذه ازهد عندی من عفطة عنز."(نہج البلاغہ خطبہ نمبر۳)

"اگر وہ کثیر جماعت (میری بیعت کیلئے) حاضر نہ ہوتی اور مدد نہ کرتے کہ حجت تمام ہوا اور وہ عہد نہ ہوتا جسے پروردگار عالم نے علماء اور دانشوروں سے لیا ہے کہ ظالم کی شکم سیری اور مظلوم کی گرسنگی پر راضی نہ ہوں تو میں بلاشبہ خلافت کے شتر کی مہار اس کی پشت پر رکھ دیتا (تا کہ ناقہ خلافت جدھر چاہے چلا جائے، جس جگہ چاہے چرے اور جس ظالم و فاسق کی گمراہی کے بار کو اٹھاتا ہے اٹھائے) اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اسکے اول کو سیراب کیا تھا (چنانچہ جس طرح پہلے میں نے اس امر کیلئے اقدام نہیں کیا اس وقت بھی کنارہ کش ہو جاتا اور خلافت سے کوئی رشتہ نہ رکھتا اور لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی حالت میں چھوڑ دیتا اس لئے کہ) تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تمھاری دنیا میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی گئی گذری ہے".

حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ذاتی مفادات کے لئے حکومت کی خواہش نہیں تھی اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی ذاتی اغراض کے لئے حکومت کی خواہش نہیں تھی نہ آپ نے اس کیلئے کبھی کوشش کی لہٰذا خود علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللهم انک تعلم انه لم یکن الذی کان منا منافسة فی سلطان و لا التماس شئ من فضول الحطام و لکن لنرد

المعالم من دینک و نظهر الاصلاح فی بلادک فیامن
المظلومون من عبادک و تقام المعطلة من
حدودکَ". (نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۹)

"پروردگارتو اچھی طرح آگاہ ہے کہ جو مجھ سے صادر ہوا (جنگ اور مقابلہ) نہ تو سلطنت اور خلافت کی خواہش کی خاطر تھا نہ ہی دنیا کے حصول کی غرض سے بلکہ (یہ سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ (شہروں میں فتنہ وفساد پھیل گیا تھا اور لوگوں پر ظلم وستم ہورہا تھا اور حلال حرام میں تبدیل کیا جارہا تھا) تیرے دین کے آثار میں تبدیلی آچکی تھی اور میں پھر اسے پہلی حالت پر پلٹانا چاہتا تھا اور تیرے شہروں میں پھر سے امن وامان برقرار کرنا چاہتا تھا تا کہ تیرے ستم دیدہ اور رنج کشیدہ بندے امن وسکون سے رہ سکیں اور تیرے ضائع شدہ احکام پھر سے جاری ہوں"۔

آپؑ شریعت کے قیام اور احکام اسلام کے نفاذ کے لئے حکومت کے خواہاں تھے.

آج عید غدیر کا دن ہے جس دن خدا نے دین کامل کیا اور اپنی نعمتیں تمام کیں آج (عید غدیر کے دن) مؤمن کیلئے مستحب ہے کہ اپنے بھائی سے ملاقات ومصافحہ کرے اور کہے:

"الحمد لله الذی جعلنا من المتمسکین بولایة علیؑ
(علیه السلام) و الأئمّة من اهل بیته الحمد لله علی

اکمال الدین و اتمام النعمة".

"ساری تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں ولایت علیؑ اور اہل بیت (علیہم السلام) سے سرفراز کیا ہے، ساری تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے اپنے دین کو کامل کیا اور نعمتیں تمام کیں.

اس طرح حضرت علیؑ ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ ان کے بتائے ہوئے راستے پر قائم رہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہیں اور انکی محبت کو دل میں رکھیں اور ان کے راستے سے ایک لحہ کے لئے بھی الگ نہ ہوں اس لئے کہ آپؑ کی ولایت کی پیروی درحقیقت اسلام اور قران کی پیروی ہے نیز اسی کے ذریعہ لوگوں کی فکری نشونما ہوتی ہے اور معنویت اور دشمن سے دوری کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اگر علیؑ سے دوری اختیار کی جائے تو گویا اسلام وقران اور تمام اچھائیوں سے ناتا توڑ لیا گیا ہے علیؑ نے اپنی گفتگو میں اس کی طرف ایک جگہ اشارہ کیا ہے:

"الا وانہ سیامرکم بسبّی و البرائة منّی فامّا السبّ فسبّونی فإنه لی زکاة و لکم نجاة و امّا البرائة فلا تتبرّأوا منّی فانی ولدت علی الفطرة و سبقت الیٰ الایمان و الهجرة". (نهج البلاغه۵٦)

"آگاہ ہو جاؤ وہ (معاویہ) عنقریب ہی تمہیں مجھ سے بیزاری کا اظہار کرنے اور مجھے سب وشتم کرنے پر مجبور کرے گا چنانچہ اگر اس نے سب شتم پر مجبور کردیا تو تم کو سب وشتم کی اجازت ہے کیونکہ یہ میرے لئے علو درجات اور تمہارے لئے نجات کا باعث ہے لیکن

ہرگز مجھ سے دل سے بیزاری کا اظہار نہ کرنا (بلکہ باطنا مجھ کو دوست رکھنا) اس لئے کہ میں فطرت توحید پر پیدا ہوا ہوں اور ایمان و ہجرت میں سبقت رکھتا ہوں"۔

جو علی علیہ السلام سے بیزاری کا اظہار کرے گویا اس نے ایمان واسلام سے بیزاری کا اظہار کیا لہٰذا آپؑ سے کنارہ کشی ممکن نہیں ہے علی علیہ السلام کی راہ وروش پر چلنے والے ہر شخص کی یہی منطق ہے، تاریخ کے بزرگ افراد گالیاں سننے سے خوفزدہ نہیں ہوتے بلکہ امت مسلمہ کی گمراہی وکجروی سے ہراساں رہتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام اسلامی وحدت کے علمبردار

علی علیہ السلام نے ۲۵ سال ایسے افراد کے ساتھ جوانمردی کے ساتھ زندگی گذاری جنہوں نے آپؑ کو آپؑ کے حق خلافت سے محروم رکھا بلکہ آپؑ نے انھیں حساس موقعوں پر مشورہ دینے اور نصیحت کرنے میں مضائقہ نہیں کیا اور اسلام کی ہر ممکن صورت میں پوری پوری نصرت کی یہاں تک کہ خلیفہ ثانی نے کہا: (**لولا علیٌ لھلک عمر**) اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

یا دوسرے مقام پر کہا: مجھ پر کوئی ایسی مشکل نہ آپڑے جسمیں علی نہ ہوں۔

لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کی ذات ہے جس نے سب سے پہلے اسلامی وحدت کو حیات بخشی گرچہ اپنے مسلم حق کو طلب کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کی اور یہ وہ سبق ہے کہ جس کو تمام مسلمانوں کو ذہن نشین کرنا چاہئے ان لوگوں کے مقابل جو اسلام کو ریشہ کن کرنا

چاہتے ہیں.

لہٰذا ہم آج، روز غدیر پوری ہوشیاری اور ایمان کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیتؑ کی ولایت کا عہد کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اسلامی وحدت اور مسلمانوں کی مصلحت کی اہمیت کے بھی قائل ہیں اور مسلمانوں کو کتاب خدا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر متفق ومتحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں چونکہ یہی قرآن اور سنت نبوی کی تعلیم ہے.

لہٰذا آیئے قرآن وسنت نبوی کو حق کا معیار قرار دیں اور امر امامت وخلافت بلکہ کسی بھی امر میں اگر نزاع واختلاف ہو تو اسے خدا ورسولؐ کے حوالے کریں یہ ہمارا فریضہ ہے کہ بغض، عداوت اور کینہ کی وجہ سے ایک دوسرے کے مقابل نہ آئیں کیونکہ اسلام کو تمام مسلمانوں کے اتحاد وہمدلی اور کوشش کی ضرورت ہے.

جب کوئی حضرت علی علیہ السلام کے متعلق گفتگو کرتا ہے تو وہ خود کو ایسی نورانی فضا میں پاتا ہے جو اسے خدا کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور وہ خدا کے بندوں میں احساس ذمہ داری جنم دیتی ہے اور وہ وجد میں آ کر یہ نعرہ لگاتا ہے:

اے آسمان شاہد رہ اور اے زمین اقرار کر لے اور تو بھی شاہد رہ کہ میں نے علی علیہ السلام کا ذکر شروع کیا ہے.

امام علی علیہ السلام کی ذمہ داریاں

امام امت کے عنوان سے حضرت علی علیہ السلام کا فریضہ تھا کہ آپ مسلمانوں کو اسلامی معارف سے پوری طرح آگاہ کریں، انسانی فکر کو اسلام کے سانچے میں

ڈھالیں، اسلام کو اس طرح سے پیش کریں کہ وہ انسان کے دل ودماغ میں رچ بس جائے اور آپؑ نے اپنی یہ ذمہ داری بظاہر خلیفہ ہوتے ہوئے یا خلافت سے محرومی کے ایام میں بھی بخوبی نبھائی اسی بنا پر آپؑ فرماتے ہیں:

''ہم نے پہلے ان کو انکے حال پر چھوڑ دیا یہاں تک کہ دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ مرتد ہو جائے گا اور اسلام سے برگشتہ ہو کر دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی ریشہ کنی میں لگ جائے گا تو مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام ومسلمانوں کی مدد نہ کروں تو مجھے رخنہ و ویرانی دیکھنی پڑے گی اور میرے لئے یہ مصیبت تمھاری ولایت اور تم پر حکومت کا موقع نہ ملنے سے کہیں زیادہ سخت تھی ایسی ولایت وحکومت جو چند روزہ ہے اور جو کچھ اس سے حاصل ہوگا اسی طرح زائل ہو جائے گا جیسے سراب زائل ہو جاتا ہے یا بادل پراکندہ ہو جاتے ہیں تو میں اٹھ کھڑا ہوا (ان کی مدد کی اور انھیں مشکلات سے نجات دلائی) یہاں تک کہ باطل مہار ہوا اور مٹ گیا (اور دین کو مرتدوں اور تباہی مچانے والوں کے فتنہ سے) اطمئنان وسکون حاصل ہوا''۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۷ باب ۶۲ ص ۱۵۱)

حضرت علی علیہ السلام کو جب اپنی ظاہری خلافت کے دوران خطروں کا سامنا ہوتا تو بھی آپ عوام کے سامنے بیان کرتے تھے لیکن تفرقہ کا شکار اور اختلافات میں گھرے لوگوں کے ذریعے بگڑے ہوئے حالات کو سدھارنے میں آپکو کامیابی حاصل نہ ہوئی تو آپؑ اپنے معبود سے اس طرح اپنا درد دل بیان کرتے ہیں:

''پروردگار ا! تو جانتا ہے کہ ہماری جنگیں اور جدو جہد دنیوی حکومت اور ثروت حاصل کرنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ ہم حق کی نشانیوں کو اور تیرے دین کو اس کے اصلی مقام پر واپس لانا چاہتے تھے اور تیرے شہروں کی اصلاح کرنا چاہتے تھے تا کہ تیرے ستمدیدہ بندے امان میں رہیں اور تیرے فراموش شدہ احکام و حدود دوبارہ نافذ ہو سکیں، پروردگارا میں پہلا فرد ہوں جو تجھ پر ایمان لایا اور تیری دعوت پر لبیک کہا اور نماز قائم کرنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی نے مجھ پر سبقت نہیں لی''۔

(نہج البلاغہ ۱۳۱)

فرائض منصبی

ممکن ہے یہ سوال پیش کیا جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کے ان حساس حالات میں آپ کا بنیادی فریضہ کیا تھا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی مسند پر ایسے شخص کے بیٹھنے کی ضرورت تھی جو ہو بہو رسولؐ ہو اور ایسی شخصیت کا مالک سوائے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے کوئی اور نہ تھا، آپ کی واحد ذات تھی جو ہر سوال کا جواب ''سلونی'' کے دعوے کے ساتھ دے سکتی تھی اور حالات کے تقاضوں کے مطابق لائحہ عمل تیار کر سکتی تھی بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں امت کی ہدایت کر سکتی تھی.

جو کچھ امام علی علیہ السلام سے ہم تک پہنچا ہے اس سے کہیں کم ہے جو حضرتؑ نے بیان فرمایا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ سید شریف رضی کا ہدف صرف ادبی خطبات کو جمع کرنا تھا لہذا آپ نے ثقافتی اور مختلف مسائل پر مشتمل کلمات پر توجہ نہیں دی چنانچہ آپ نے خطبات اور کلمات کو مختصر کر دیا جبکہ امت مسلمہ آپؑ کی ثقافتی حکمت عملی کی پیروی کی بھی محتاج ہے اور جو کچھ حضرت نے فرمایا ہر ایک کے لئے مشعل راہ ہے.

علی علیہ السلام سراپا حق ہیں چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علی مع الحق والحق مع علی یدور حیث ما دار.

علی علیہ السلام حق کے ساتھ ہیں اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور ادھر گھومتا ہے جدھر علی علیہ السلام گھومتے ہیں.

اس زمانے میں حضرت علی کا سب سے بڑا جرم حق پر قائم رہنا تھا اور یہی امر آپؑ کی گوشہ نشینی اور تنہائی کا سبب بھی، چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

حق (پرستی) نے میرے لئے کوئی دوست نہیں چھوڑا.

دوسرے مقام پر حق طلب اور باطل پرست افراد کو اس طرح تقسیم کرتے ہیں:

''بسا اوقات انسان کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر ہوتی ہے اور وہ تمام مکر وحیلوں سے واقف بھی ہوتا ہے تاہم خدا کے امر نہی اسکی راہ میں مانع ہیں جبکہ وہ مکر و حیلے پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن ہدایت کی روشنی کے تحت انھیں ترک کر دیتا ہے لیکن وہ جو ارتکاب گناہ اور دین کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتا وہ اپنی

مکاریوں اور عیاریوں پر عمل کرنے کے لئے موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے"۔

کچھ لوگ آ کے معاویہ کی مکارانہ سیاست کو فخر سے بیان کرتے ہیں اور علی علیہ السلام کے رویہ میں تبدیلی چاہتے ہیں تو علی علیہ السلام ان کے جواب میں فرماتے ہیں:

"خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ ہوشیار نہیں ہے مگر فرق یہ کہ وہ غداریوں سے چوکتا نہیں اور بد کرداریوں سے باز نہیں آتا اگر مجھے عیاری وغداری سے نفرت نہ ہوتی تو میں سب لوگوں سے زیادہ ہوشیار وزیرک ہوتا لیکن ہر غداری گناہ اور ہر گناہ حکم الٰہی کی نافرمانی ہے"۔

اسی طرح آپ سچائی کے متعلق فرماتے ہیں کہ سچائی اور وفا کے درمیان گہرا رشتہ ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آدمی سچا بھی ہو اور مکر وفریب بھی کرے!۔

اگر علی علیہ السلام حاکم ہوتے

اگر صدر اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ علمی، اخلاقی، معنوی اور جہادی لحاظ سے علی علیہ السلام کی کوئی نظیر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ شوریٰ کے متعلق گفتگو میں عمر کہتے ہیں: اگر زمام خلافت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہوتی تو وہ امت

کوخیر وسعادت کی راہ پر لگا دیتے۔

شاید خلافت کے زمانہ میں امام کی مشکلات کا راز یہ تھا کہ امام صرف ایک روایتی حاکم نہیں تھے بلکہ الٰہی منصب کے بھی حامل تھے آپؑ کا ہدف اسلامی مفاہیم کو انسان کی روح کی گہرائیوں تک پہنچانا تھا آپ محض حکومت کے خواہاں نہیں تھے اسی بنا پر آپ نے فرمایا:

بسا اوقات انسان کو آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر ہوتی ہے اور وہ تمام مکر وحیلوں سے واقف بھی ہوتا ہے تاہم خدا کے امر ونہی اسکی راہ میں مانع ہیں جبکہ وہ مکر وحیلے پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن ہدایت کی روشنی کے تحت انھیں ترک کر دیتا ہے لیکن وہ جوارتکاب گناہ اور دین کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتا وہ اپنی مکاریوں اور عیاریوں پر عمل کرنے کے لئے موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔'' (شرح نہج البلاغہ ابن حدید ج۲ ص۳۱۲ باب ۴۱)

چنانچہ بعض افراد نے کہا بیت المال سے بزرگوں کو نوازیئے تا کہ چین سے بیٹھ جائیں اور آپ کی حمایت کریں لیکن حضرتؑ نے انھیں اس طرح جواب دیا:

مجھے امر کرتے ہو کہ میں جنکا امام ہوں ان پر ستم کر کے اپنی کامیابی کی جستجو میں رہوں؟ خدا کی قسم جب تک روز وشب ہوتے رہیں گے اور ستارے ایک کے بعد ایک طلوع ہوتے رہیں گے میں ایسا ہر گز نہ کروں گا اگر یہ میرا مال ہوتا تو بھی میں اسے ان کے درمیان برابر تقسیم کر دیتا، پھر اس وقت ایسا کیوں نہ کروں جبکہ یہ مال، مال خدا ہے۔

آپؑ کیوں نہ فرماتے، آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور آغوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تربیت پائی لہذا اسلام اور حق آپ کی روح میں رچ بس گیا تھا اور آپ کی طرف باطل کا گذر بھی ممکن نہیں تھا.

چنانچہ میرے خیال میں گرچہ متعدد فتوحات میں مسلمانوں کو مثبت نتائج ہاتھ لگے لیکن اسمیں مسلمانوں کو بہت سی جگہوں پر نقصان بھی اٹھانا پڑا.اس لئے کہ انھوں نے اسلامی رقبہ میں وسعت پر تو توجہ دی لیکن اسلامی اقدار و تعلیمات کی گہرائیوں پر توجہ نہ دی مسلمانوں کی کامیابی اقتدار اور زمین کی وسعت میں نہیں ، بلکہ فکر کی وسعت میں ہے جس کے ذریعہ اسلام کو عالمی بنایا جاسکتا ہے اور لوگوں کے رویہ میں اس طرح تبدیلی لانی چاہئے کہ اسلام ان کے جذبات، احساسات، عقاید، اور فکر و عمل کو متاثر کر سکے.

حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کی عظمت

علی علیہ السلام ایسے پیام رساں تھے کہ جس پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی ، ایسے ائیڈیل تھے جو مجسم اسلام ہو اور صرف اسلام و مسلمانوں کے متعلق سوچتے تھے، آپؑ ذی قار میں تھے اور اپنی پھٹی ہوئی جوتی سی رہے تھے اتنے میں ابن عباس آپؑ کے پاس آئے تو آپؑ نے پوچھا:

> اس جوتی کی کیا قیمت ہوگی ابن عباس نے کہا کچھ نہیں، آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں اس جوتی کو تم پر حکومت کرنے سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں، ہاں مگر اس (حکومت) کے ذریعہ حق کو ثابت کروں اور باطل کو

مٹادوں''۔

اسی طرح آپ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

حضرت محمدؐ کے وہ اصحاب جو آپ کے امین تھے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے ایک لمحے کے لئے خدا اور اس کے رسولؐ سے سرتابی نہیں کی اور میں نے اس جوانمردی کے بل بوتے پر کہ جس سے اللہ نے مجھے سرفراز کیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان موقعوں پر مدد اور نصرت کی کہ جہاں سے بہادر جی چرا کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور (آگے بڑھنے کے بجائے) پیچھے ہٹ جاتے تھے.'' (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۵)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصحاب کے روابط کے متعلق فرماتے ہیں:

کبھی رسول خداؐ کے کلام کے دو رخ ہوتے تھے، کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کے لئے ہوتا تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے جو سمجھ ہی نہ سکتے تھے کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لی ہے اور پیغمبرؐ کا اس سے مقصد کیا ہے تو یہ سننے والے اسے سن تو لیتے تھے اور کچھ اس کا مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے مگر اس کے حقیقی معنی اور مقصد اور وجہ سے ناواقف رہتے تھے اور نہ اصحاب پیغمبرؐ میں سب ایسے تھے کہ جنھیں آپؐ سے سوال کرنے کی ہمت تھی بلکہ وہ تو چاہتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آ جائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گزرتی تھی مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے ذہن نشین کر لیتا

تھا۔"(نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۸)

علی علیہ السلام انہی وجوہات کی بنا پر دین خدا کی راہ میں رنج ومصائب جھیلتے تھے اوراپنے امور کو اس کے سپرد کر دیتے تھے، جب کہ آپ کے لئے ضروری نہ تھا کہ لوگوں کے سامنے حساب وکتاب پیش کریں لیکن سارا حساب پیش کر دیتے اور یہ کام آپ اس لئے کرتے تھے کہ لوگ راہ وروش اور حکومت کے معاملات سے آگاہ ہو جائیں اس کے متعلق آپؑ فرماتے ہیں:

اللھم انک تعلم انه لم یکن الذی کان منا منافسة فی سلطان و لا التماس شیٔ من فضول الحطام و لکن لنرد المعالم من دینک و نظھر الاصلاح فی بلادک فیامن المظلومون من عبادک و تقام المعطلة من حدودکَ(نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۹)

پروردگار تو اچھی طرح آگاہ ہے کہ جو کچھ مجھ سے صادر ہوا (جنگ اور مقابلہ) نہ تو سلطنت اور خلافت کی خواہش کی خاطر تھا اور نہ ہی دنیا کے حصول کی غرض سے بلکہ (یہ سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ (شہروں میں فتنہ وفساد پھیل گیا تھا اور لوگوں پر ظلم وستم ہو رہا تھا اور حلام حرام میں تبدیل کیا جا رہا تھا) تیرے دین کے آثار میں تبدیلی آچکی تھی اور میں پھر اسے پہلی حالت پر پلٹانا چاہتا تھا تیرے شہروں میں پھر سے امن وامان برقرار کرنا چاہتا تھا تاکہ تیرے ستم دیدہ اور رنج کشیدہ بندے امن وسکون سے رہ سکیں اور تیرے احکام پھر سے

جاری ہو جائیں جنھیں بیکار بنا دیا گیا ہے۔اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیری طرف رجوع کیا اور تیرے حکم کو سن کر لبیک کہا اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی نے بھی نماز پڑھنے میں مجھ پر سبقت نہیں لی۔

پھر آپؑ اسلامی رہبری کی شرائط اس طرح بیان کرتے ہیں:

اے لوگوں! تمھیں معلوم ہے کہ ناموس ، خون ،مال غنیمت (نفاذ) احکام اور مسلمانوں کی پیشوائی کے لئے کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی بخیل حاکم ہو کیونکہ اس کا دانت مسلمانوں کے مال پر لگا رہے گا اور نہ کوئی جاہل کہ وہ انھیں اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ کرے گا اور نہ کوئی کج خلق کہ وہ اپنی تند مزاجی سے چرکے لگاتا رہے گا اور نہ کوئی مال و دولت میں بے راہ روی کرنے والا کہ وہ کچھ لوگوں کو دے گا اور کچھ کو محروم کر دیگا اور نہ فیصلہ کرنے میں رشوت لینے والا کہ وہ دوسروں کے حقوق کو ضایع کر دیگا اور انھیں انجام تک نہ پہنچائے گا اور نہ کوئی سنت کو بے کار کر دینے والا کہ وہ امت کو تباہ و برباد کر دے گا۔"

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۹)

ولایت علی علیہ السلام رسالت الٰہی ہے صرف حکومت نہیں

سورۂ مائدہ کی آیت (۶۷) میں پروردگار عالم پیغمبر ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے:

یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته.

اے پیغمبر جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہو چکا ہے اس کا اعلان کردو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم نے کار رسالت انجام نہ دیا.

اس آیت میں خدا اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے انتظامی امور کے علاوہ اس رسالت کا بھی اعلان کر رہا ہے جسے رسول خداؐ کے بعد جاری رہنا ہے اور وہی شخص اس رسالت کو جاری رکھ سکتا ہے جس کی عقل اور قلب میں اسلام رچ بس گیا ہو اس کی ذات اسلام کا کامل نمونہ ہو اور یہ ذات حضرت علی علیہ السلام کی تھی.

خلیفہ کے معین کرنے کے لحاظ سے ہم جب مسئلہ خلافت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ رسول اسلامؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ معین فرمایا تھا لیکن رسولؐ کے بعد کے حالات کی روشنی میں اس مسئلہ کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا کوئی بھی شخص کسی بھی طرح امت اسلامیہ کا امیر بن سکتا ہے؟ جیسا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں لوگوں نے کہا تھا کہ ہم میں سے ایک امیر ہو اور تم میں سے ایک امیر ہو! یاد رہے یہاں ہم مل جل کر منصفانہ طریقے سے خلافت و ریاست کی جزئیات اور ان مسائل سے قطع نظر جو سقیفہ کے بعد سامنے آئے' اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں؛ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ منصوب کرنے کے لئے کیا امت کی رائے لی گئی؟ اس صورت میں امت میں حضرت علی علیہ السلام اور بعض دیگر بزرگ صحابہ بھی شامل ہیں، لیکن یہ حضرات تو سقیفہ کی میٹنگ کے وقت رسول خداؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور انھیں سارے ماجرے کی خبر اس وقت ہوئی جب لوگوں نے

خلیفہ معین کرلیا۔اس کے علاوہ اگر ہم کچھ دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کرلیں کہ رسول اکرمؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو غدیر خم میں خلیفہ منصوب نہیں کیا تھا تو کیا حضرت کا علی علیہ السلام کا شمار رسول خدا علیہ السلام کے بزرگ صحابہ، آپ کے اقرباء، سابق الاسلام اور مجاہد شخصیتوں میں نہیں ہوتا تھا کہ ان سے اس سلسلے میں رائے لی جاتی، کم از کم اس لحاظ سے خلیفہ معین کرنا صحیح نہیں لگتا۔

اور اگر شوری کی بات ہے تو سقیفہ میں جو کچھ ہوا تو کیا وہ شوری اور مشورت کے معنی میں تھا؟! اگر آج کی دنیا میں کسی شخص کو ہر چند وہ ریاست و خلافت کی اہلیت رکھتا ہو سقیفہ کی شوری کی طرح منتخب کیا جائے تو کیا اسے حقیقی شوری اور انتخاب مان لیا جائیگا؟!

حکومت سے زیادہ اہم الہی رسالت کا تسلسل ہے

بحث صرف یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کا کوئی حاکم ہو اور کوئی بھی ہو یا ان کے نظم ونسق کی دیکھ بھال ہو؛ بلکہ جو چیز اہم ہے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا تسلسل ہے اور یہ امر صرف اسی صورت میں محقق ہوسکتا ہے کہ جب علی علیہ السلام کو پیغمبر کے جانشین کے بطور انتخاب کرلیا جائے ،جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو اس منصب کے لئے منتخب فرمایا پھر تاریخ میں بھی ،خدا سے تعلق اور اسکی راہ میں جہاد کرنے میں مسلمانوں کے درمیان علی علیہ السلام جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔

آپؑ کی عظمت کا اندازہ غاصبین خلافت کے مقابل آپ کے اس ذمہ دارانہ طرز عمل سے ہوتا ہے جو آپ اسلام و مسلمین کی خاطر اختیار فرماتے تھے، آپ نے اپنے

مسلم حق سے محرومی کے باوجود منفی رویہ نہیں اپنایا کیوں کہ مسئلہ اسلام و مسلمین کا تھا آپ نے ہر موقع پر خواہ آپ کو خلافت سے دور رکھا گیا ہو یا اپنی ظاہری خلافت کے موقع پر ہمیشہ اسلام و مسلمین کے مفادات کو ترجیح دی.

یہ بات آپ کے اس خط سے بھی واضح ہو جاتی ہے جسے آپؑ نے اہل مصر کے لئے لکھا تھا ملاحظہ ہو:

مجھے کسی چیز نے رنجیدہ نہ کیا مگر سوائے لوگوں کے فلاں کی طرف جانے اور انکی بیعت کرنے نے، میں نے انکو ان کے حال پر چھوڑ دیا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ مرتد ہو گیا ہے اور اسلام سے برگشتہ ہو کر دین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ کو مٹانا چاہتا ہے، مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام و مسلمانوں کی مدد نہ کروں تو اسمیں مجھے رخنہ و ویرانی دیکھنا پڑے گی جس کی مصیبت و اندوہ میرے لئے تمھاری ولایت اور تم پر حکومت کرنے کے فوت ہو جانے سے کہیں زیادہ تھی ایسی ولایت و حکومت جو چندروزہ ہے جو کچھ اس سے حاصل ہو گا زائل ہو جائے گا جس طرح سراب (کہ جسکی طرف پیاسا پانی سمجھ کر جاتا ہے اور جب قریب پہنچتا ہے تو) زائل ہو جاتا ہے۔ یا بادل جو پراکندہ ہو جاتے ہیں تو میں ان حوادث کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا (انکی مدد کی اور انھیں مشکلات سے نجات بخشی) یہاں تک کہ باطل مہار ہوا اور مٹ گیا (اور دین کو مرتدوں اور تباہی مچانے والوں کے فتنہ سے) اطمئنان و سکون حاصل ہوا

اسی طرح دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: جوتم لوگوں نے انجام دیا ہے
اس پر میں خاموش رہوں گا جب تک مسلمانوں کے امور ٹھیک رہیں
گے اور میرے سوا کسی اور پر ستم نہ ہوگا۔

جو شخص ایثار اور قربانی کے اس اعلی مرتبے پر فائز ہوا اسکو لوگوں نے اس کے شرعی حق سے محروم کر دیا یہ کوئی اس کا ذاتی حق نہیں بلکہ امت اسلامیہ کا حق تھا اس کے باوجود حضرت علی علیہ السلام نے اسلام و مسلمین کی خاطر ان لوگوں سے تعاون کیا جنھوں نے آپ کو خلافت سے محروم کر دیا تھا، آپ نے ہمیشہ انکی رہنمائی کی اور سوالات کا جواب دیا۔

جب خلیفہ ثانی نے ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لئے جانا چاہا اور لشکر کی کمانڈ اپنے ہاتھ میں لینا چاہی تو اس کے متعلق علی علیہ السلام سے مشورہ کیا، امام نے اس کام سے منع کیا اور فرمایا: خود تمہارے میدان جنگ میں جانے میں بہت بڑا خطرہ ہے چونکہ اگر تم قتل کر دئے گئے تو لشکر کو شکست ہوگی، آپ نے فرمایا: کسی جنگجو فرد کو روانہ کر دو، اور خود یہیں رہ کر لشگر آمادہ کرو چنانچہ خلیفہ نے بھی یہی کیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی ہمراہی

ہمیں ہمیشہ علی علیہ السلام کے ہمراہ رہنا چاہئے اس لئے کہ آپ کے ساتھ رہنے کا مطلب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی اور خدا کی راہ پر گامزن ہونا، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ علی علیہ السلام کا پورا وجود خدا، اسکے رسول اور اسلام کے لئے تھا اور آپ کے لئے ذاتیات کوئی چیز نہیں تھی۔ آپ عظیم روح، پاک باطن، لطیف فکر اور یقین کے اعلی مقام پر فائز

تھے آپ اس پوری ہستی کے باطن کو اسی طرح دیکھتے تھے جیسے اس کے ظاہر کو دیکھتے تھے۔
آپ فرماتے ہیں:

اگر پردے اٹھا لئے جائیں تو میرے یقین میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہ ہوگا.

آپ کا وجود یقین کامل کی منزل پر فائز تھا. چنانچہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ علی علیہ السلام کے ہوتے ہوئے دوسروں کے بارے میں کچھ کہنا بے جا ہوگا اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم المرتبت ذات آپؑ کی معلم اور مربی تھی اور حضرت علی علیہ السلام ان تمام روحانی اور معنوی صفات کے حامل تھے جن کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حامل تھے.

لہٰذا دیگر اصحاب کا احترام باقی رکھتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں حضرت علی علیہ السلام سے کسی کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حضرت علی علیہ السلام نے ایسے اعلی مدارج طے کئے ہیں جہاں تک کسی کا پہنچنا ناممکن ہے اگر حضرت علی علیہ السلام اور کسی دوسرے کے درمیان فرق کرنا چاہیں تو زمین و آسمان کا فرق دکھائی دے گا اور حضرت علی علیہ السلام سب سے ممتاز اور اعلی درجے پر فائز نظر آئیں گے یہ محض تعریفی الفاظ نہیں ہیں کیونکہ آپؑ کی ذات ہماری تعریف سے بے نیاز ہے۔

میں یہاں متنبی سے متفق ہوں، جب متنبی سے پوچھا گیا کہ تم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مدح میں شعر کیوں نہیں کہتے تو انھوں نے کہا:

میں ولی خدا کی مدح عمداً نہیں کرتا کیونکہ وہ خود ہمہ گیر نور ہیں اور اگر کوئی شئی ہمہ گیر اور آفاقی ہو جاتی ہے تو اسے کسی کے سہارے کی

ضرورت نہیں ہوتی۔

جو کچھ ہم نے نقل کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم علی علیہ السلام سے کچھ سیکھیں، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جو افراد ولایت علی علیہ السلام کے قائل ہیں وہ علی علیہ السلام سے کچھ سیکھتے نہیں بلکہ دور سے علی علیہ السلام کو دیکھتے ہیں اور علی علیہ السلام کی فکر سے نزدیک ہونے کی کوشش نہیں کرتے اور شاید ہماری پسماندگی کا راز بھی یہی ہو، ہم علی علیہ السلام کا نام زبان پر لاتے ہیں اور آپ کے نام کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن آپ کی فکر جو انسان کو متحرک کرتی ہے اور جلا بخشتی ہے اس سے کچھ حاصل نہیں کرتے جسکے باعث ہم فکری جمود کا شکار ہو گئے ہیں اور علی علیہ السلام کی روشن فکری اور روحی بلندی سے کچھ حاصل نہیں کر سکے، پھر لامحالہ ہم سطحی نعروں اور کھوکھلی چیزوں میں گرفتار ہوں گے اور ہر روز پیچھے پلٹتے جائیں گے۔

اس لحاظ سے اس زمانہ میں ہماری مشکل صرف وہ لوگ نہیں ہیں جو اسلام کے خلاف لڑ رہے ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو پسماندگی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور اسے اسلام کے سر منڈ دیتے ہیں، اور اسی طرح وہ افراد جنکی فکر خرافات کے سوا کچھ نہیں ہے اس پر توجہ نہیں دیتے اور جب خرافات کی بحث پیش کی جاتی ہے تو اسے اہمیت نہیں دیتے جب کہ وہ اس سے بے توجہ ہیں کہ اس زمانہ میں خرافات کا دامن وسیع ہو رہا ہے۔

چنانچہ ہمیں ترقی کی راہوں پر گامزن ہو کر ادب اور ثقافت میں پیشرفت کرنی چاہئے اور پھر اس کوشش میں رہنا چاہئے کہ کیسے اپنے دینی مفاہیم اور اقدار کو بہتر بنائیں اور لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اس کوشش میں بھی رہیں کہ اسلام نے جو ہمیں زندگی کا سلیقہ دیا ہے اسے ہم بالکل اسی شکل میں کیسے حاصل کریں؛ چنانچہ اس امر کے

لئے نہ صرف ہمکو علی علیہ السلام کی شخصیت کو تاریخ کے آئینہ میں تلاش کرنا چاہئے بلکہ آپ سے فکری اور روحی مدد بھی مانگنی چاہئے؛ ترقی و پیشرفت کی راہ یہ ہے کہ نہج البلاغہ کے احکام و اصول کو ہم اپنی سیاست، معیشت، تعلقات اور روزمرہ کی زندگی میں داخل کریں، اس طرح ہم اس شخصیت سے جو اس منظومہ کائنات میں چکی کی کیل کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس سے علم دانش کا چشمہ پھوٹتا ہے اور کوئی بھی فکر اسکی معرفت کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتی، مدد حاصل کر سکتے ہیں اور ترقی وکمال کی منزلیں طے کر سکتے ہیں،

انتساب کی حقیقت

علی علیہ السلام کی ہمراہی خود بڑی قیمتی شی ہے آپ فرماتے ہیں: بلاشبہ انبیاء سے سب سے نزدیک وہی افراد ہیں جو سب سے زیادہ آگاہ ہیں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

> ابراہیمؑ سے زیادہ خصوصیت تو ان لوگوں کو تھی جو خاص ان کی پیروی کرتے تھے اور اس پیغمبر اور ان ایمانداروں کو (بھی) ہے اور مومنوں کا خدا مالک ہے،(سورۂ آل عمران.٦٨)

ولایت، برتری اور ترقی کا خاندان سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ یہ رشتہ تقویٰ اور علم کی بنا پر قائم ہوتا ہے اور یہ وہی رشتہ ہے جو حاملان رسالت الٰہی اور عوام کے درمیان ہوتا ہے۔

رسول اسلام علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کی ذمہ داری بخوبی نبھائی اور

زندگی کے تمام شعبوں کو دین کے سایہ تلے لے آئے.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

خدا کی اطاعت کرنے والا رسول کے قریب ہے گرچہ اس کے ساتھ اسکی رشتہ داری نہ ہو اور خدا کی نافرمانی کرنے والا رسول کا دشمن ہے گرچہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو ڈوبتے دیکھ کر عرض کیا:

میرے پروردگار اس میں تو شک نہیں کہ میرا بیٹا میرے اہل میں شامل ہے اور تو نے وعدہ کیا تھا کہ تیرے اہل کو بچالوں گا اور اسمیں بھی شک نہیں کہ تیرا وعدہ سچا ہے تو سارے جہان کے حاکموں سے بڑا حاکم ہے تو میرے بیٹے کو نجات دے تو، خدا نے فرمایا اے نوح (تم یہ کیا کہہ رہے ہو) ہرگز وہ تمہارے اہل میں شامل نہیں وہ بے شک بدچلن ہے (سورۂ ہود آیت ۴۵-۴۶)

جناب سلمان کی اہل بیت رسولؐ سے محبت کی بنا پر انھیں اہل بیت میں شامل کرلیا گیا لیکن حضرت نوحؑ اور انکے بیٹے میں اس طرح کا کوئی رشتہ نہیں تھا.

چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کا معیار آپؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اور آپ کی سیرت کو اپنانا ہے؛ اگر کوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کا پیرو ہو تو اسے تقوا، عفت اور سچائی میں انکی پیروی کرنی چاہیۓ.

بنابراین ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیۓ کہ کیا ہم نے خدا، رسولؐ اور اہل بیتؑ کے راستے پر گامزن ہونے کی کوشش کی ہے ارشاد الٰہی ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا

خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلواور تفرقہ سے بچو۔

(سورۂ آل عمران ۱۰۳)

بہت سے افراد کی حیثیت ایسی ہے کہ دینی، سیاسی اور اجتماعی لحاظ سے موثر ہیں لیکن اہل بیتؑ سے دوری کی وجہ سے اپنے ہی ہاتھوں سے لیکر اسلامی وحدت، اہل بیتؑ کی روش میں موجود وحدت بلکہ تمام اسلام اور تشیع کی جڑیں کھودتے ہیں، اس طرح کے افراد اسلام، تشیع اور اہل بیت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں لیکن انھیں نہیں معلوم ہے کہ اہل بیتؑ ہم سے کیا چاہتے ہیں؛ اہل بیت ہم سے چاہتے ہیں۔ کہ ہم خدا (کی نافرمانی) سے ڈریں اور اس کی اطاعت کریں، صادق ہوں اور خدا کی راہ میں قدم بڑھائیں جس کی طرف خود پروردگار عالم نے قران میں اشارہ کیا ہے:

> اور یہ بھی سمجھ لو کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے (بھٹکا کر) تتر بتر کردیں گے۔ (سورۂ آنعام آیت ۱۵۳)

ہماری حیات کے اندر ولایت حقہ

ولایت حقہ کی بحث پیش کرنے اور ولایت علی علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام پر تاکید کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ عقیدے کو بیان کرنے کے ذریعہ فتنہ اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو ہوا نہیں دینا چاہئے اس لئے کہ اسلامی وحدت کو محفوظ رکھنا واجب

ہے جو شیعوں کا عقیدہ ہے وہ اس کے پابند رہیں اور دوسرے بھی اپنے عقیدے پر رہیں اور اگر خدانخواستہ کوئی اختلاف پیدا ہو گیا تو اسے خدا اور رسولؐ پر چھوڑ دیں، اس لئے کہ پروردگار عالم نے ہم سے یہی کہا ہے:

نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ہے اور نہ کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی بات کا حکم دیں تو انکو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار ہو (اور یاد رہے کہ) جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں ہے۔ (سورہ احزاب آیت ۳۶)

یہ معلوم ہے کو بحث ولایت بنیادی ہے اور علمی امور میں علی علیہ السلام کی فکر سے استفادہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہی خالص اسلامی فکر ہے اور جہاد، معنویت، شجاعت، اخلاص، صبر اور اسلام و مسلمان کی نسبت آگاہی کے متعلق علی علیہ السلام سے مستفید ہونا چاہیئے اسی طرح فتنہ انگیزی، نفرت و جھگڑے کے ذریعہ اسلام کی بنیادوں کو متزلزل نہیں کرنا چاہیئے، جبکہ عالمی استکبار اور صہیونیت نے اسلام و مسلمین کی نابودی عہد کر رکھا ہے.

خود کو علی علیہ السلام کی جگہ پر قرار دیں

چنانچہ ان حالات میں ہمیں چاہیئے کہ خود کو علی علیہ السلام کی جگہ پر قرار دیں، آپ نے اسلام و مسلمین کی حفاظت کی خاطر ان لوگوں کی نصیحت، مشورے، اور ہدایت کے ذریعہ مدد کی جنھوں نے آپ کے حق کو غصب کیا اور اپنے حق سے پیچھے بھی نہ ہٹے، چونکہ آپ

اس سے پیچھے ہٹ بھی نہیں سکتے تھے آپ خود فرماتے ہیں:

جب تک مسلمانوں کے امور درست رہیں اور سوائے میرے کسی اور پر ظلم نہ ہو تو میں اس سے کنارہ کش رہوں گا اور مخالفت نہ کروں گا۔ (بحارالانوار ج ۲۳ ص ۵۶۸)

آپ نے جو خط اہل مصر کو لکھا تھا وہ بھی ہمارے لئے درس ہے۔

علی علیہ السلام کی ذات وہ ہے جس نے تلوار سے بھی دین کی مدد کی اور اپنی فہم و فراست، علم و دانش، صبر اور روشن فکری سے بھی چنانچہ علی علیہ السلام کے چاہنے والوں کی حیثیت سے ہمیں اپنی ذاتی خواہشات میں گم نہیں ہو جانا چاہئے بلکہ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ حالات کا تقاضہ کیا ہے؟ آیا حالات بحرانی تو نہیں ہیں لہذا ہمیں اس امر پر توجہ کرنی چاہئے کہ غفلت اور تعصب کا شکار ہو کر اسلام دشمنوں کی سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیں اور اسی طرح ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام علی، امام حسن، امام حسین علیہم السلام دیگر ائمہ اور امام زمانہ علیہ السلام کی طرح بردبار بنیں جنھوں نے طویل غیبت پر صبر کیا۔ ہم ایسے صابر اور آزاد اندیش بنیں جیسا کہ روایت میں آیا ہے:

اپنے قدم کو آگے اور پیچھے نہیں لے جاتا مگر یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اسمیں رضائے خدا ہے یا نہیں۔

ہمیں اپنے اعزا و اقربا کی خوشنودی کو مدنظر نہیں رکھنا چاہئے بلکہ رضائے خدا ہتوحید پر ایمان اور اسلام پر توجہ کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ خدا کی رضایت و خوشنودی ہر چیز سے برتر ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے دوستی ودشمنی

علی علیہ السلام سے محبت ودشمنی پیچیدہ موضوع کی شکل میں مورد بحث رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ سے کینہ ودشمنی میں نظیر نہیں رکھتے جب یہ صورت سامنے ہو اور محبت ونفرت دونوں ہی شدت سے موجود ہوں اس پر غور کرنا ہوگا تو محبت کی صحیح روش کیا ہے؟ اور خود حضرتؑ نے ان لوگوں کے متعلق کیا فرمایا ہے جو آپ سے اس قدر کینہ رکھتے ہیں کہ اگر تمام دنیا کے خزانے بھی ان کے حوالہ کر دیئے جائیں تو بھی وہ کینہ سے باز نہ آئیں گے ملاحظہ ہو:

> اگر میں اپنی تلوار سے کسی مومن کی ناک کاٹ دوں تا کہ وہ میرا دشمن ہو جائے تو وہ میرا کبھی دشمن نہ ہوگا اور اگر دنیا کو اسکی پوری چیزوں کے ساتھ منافق کو دے دوں تا کہ مجھے دوست رکھے تو مجھے نہیں چاہے گا اس لئے کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: اے علیؑ مومن کبھی تمہارا دشمن نہیں ہوگا اور منافق کبھی تم کو دوست نہیں رکھے گا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کلام کو ایک قاعدے کی صورت میں بیان کیا ہے چنانچہ اس کی علت کیا ہے جب کہ محبت ونفرت قلبی امر ہیں اور اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے ممکن ہے انسان کے دل کی دھڑکن کسی کی محبت میں تیز ہو جائے جبکہ اس سے اتفاق نہ رکھتا ہو

اور ممکن ہے کسی ایسے سے دشمنی ہو جس کے ساتھ ہم آواز ہو لہٰذا دل کے لئے کوئی قاعدہ ثابت نہیں ہے پھر کیوں مومن علی علیہ السلام سے دشمنی نہیں کرتا اور منافق محبت نہیں کرتا؟

جب ہم کینہ و محبت کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا تعلق آئڈیالوجی (Idealogy) سے ہے؟ اس لئے کہ علی علیہ السلام کو چاہنا جذباتی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کا صرف قلب سے تعلق ہو بلکہ یہ گہری فکر و آگاہی سے متعلق ہے علی علیہ السلام کل ایمان تھے پروردگار عالم نے آپ کے متعلق فرمایا:

لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو خوشنودی خدا حاصل کرنے کی خاطر اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں (سورۂ بقرہ ۲۰۷)

آپؑ کی ذات خود اپنے لئے نہ تھی آپ کی فکر، قلب، شجاعت، زہد، عدل، علم سبھی کچھ دائرۂ ایمان کے اندر تھا چنانچہ جس کا ایمان بھی گہرا ہوگا اس کی زندگی بھی اسی راہ پر گامزن ہوگی اور بلاشبہ علی علیہ السلام کو دوست رکھے گا. کیوں کہ جب وہ اس خدا کو دوست رکھے گا جس پر علی علیہ السلام ایمان رکھتے ہیں اور اسکی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو خواہ نخواہ آپؑ کو دوست رکھے گا اور اگر اسلام کو چاہتا ہے تو علی علیہ السلام کو بھی چاہے گا

علی علیہ السلام اور حق کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے اور جو بھی حق پر ایمان رکھتا ہے لامحالہ علی علیہ السلام پر بھی ایمان رکھے گا، اس لئے کہ جو بھی حق پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ آزادی فکر اور عشق و محبت کے ساتھ ایسے کی پیروی کرے جو ایمان رکھتا ہو اور علی علیہ السلام خود مظہر ایمان و کمال ہیں.

لیکن منافق وہ شخص ہے جو کفر کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتا ہے اور اس کے پاس

ذرہ برابر بھی ایمان نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنے افکار وعقاید کو چھپانے کے لئے زبان سے ایمان کا اظہار اس غرض سے کرتا ہے کہ ایمان وعقاید کو زندگی کے تمام شعبوں سے ریشہ کن کر سکے، ایسا فرد علی علیہ السلام کا کیسے دوست بن سکتا ہے؟!

یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے کہ کہا جائے کہ آدمی اپنے باطنی میلان یا خوف کی بنا پر کسی طرف جھک جاتا ہے؛ بلکہ اس کا تعلق اس کے باطنی ایمان سے ہے شاید یہی وجہ ہے کہ علی علیہ السلام فرماتے ہیں: میرا مسئلہ جذباتی مسائل میں سے نہیں ہے جہاں لوگ بعض افراد کو چند خصوصیات کی بنا پر چاہنے لگتے ہیں بلکہ یہاں مسئلہ اسلام اور ایمان کا ہے

حضرت علی علیہ السلام کے متعلق غلو

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

دو طرح کے افراد میرے تعلق سے ہلاک ہوں گے ایسا چاہنے والا جو غلو کرتا ہو اور ایسا دشمن جو دشنام دیتا ہو.

اسمیں کوئی شک نہیں کہ علی علیہ السلام خدا اور رسول کو دوست رکھتے تھے اور ان کے مقابل اپنی ذات کو ہیچ سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپؑ، پروردگار عالم کے سامنے خاضع تھے اور آپ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ پروردگار عالم سے تقرب میں آپ پر کوئی سبقت نہ کرے چنانچہ دعاء کمیل میں فرماتے ہیں: (پروردگارا) میں تیرا کمزور، ناچیز، حقیر، مسکین وفقیر بندہ ہوں.

آپؑ عزت اور بزرگی کو خالص عبادت سمجھتے تھے اس طرح کہ آپ کی فکر وقلب میں اور کردار میں عظمت خدا جلوگر تھی کیونکہ انسان جس درجہ زیادہ عبادت کرے اتنا ہی

زیادہ اس سے نزدیک ہوگا اور اسکے وجود میں عظمت خدا جلوہ گر ہوگی.

جو لوگ علی علیہ السلام اور اولاد علی علیہ السلام کی محبت میں غلو کرتے ہیں انکو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ وہ اہل بیت کے دوست ہیں اس لئے کہ اہل بیت علیہ السلام کی زندگی اسلام کے لئے تھی وہ خود فرماتے ہیں:

جو بھی خدا کو اپنا ولی قرار دے وہ ہمیں اپنا ولی پائے گا اور جو خدا کا دشمن ہو وہ ہمارا بھی دشمن ہے.

ہم نے بارہا کہا ہے کہ اہل بیت علیہ السلام کے پاس اسلام کے سوا کچھ نہیں ہے اور وہ اپنے لئے کچھ نہیں چاہتے چنانچہ جب ہم ایسی ہستیوں کے چاہنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ اسی طرح انکو چاہیں جیسے انھوں نے کہا ہے امام زین العابدین علیہ السلام کے کلام میں آیا ہے:

اسلام کی دوستی میں ہمیں دوست رکھو۔

یعنی اسلام کے دائرے میں ہمکو دوست رکھو اور دینی اعتقاد اور قران وسنت کے دائرے سے خارج نہ ہو چنانچہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت نے فرمایا ہے اس پر توجہ دیں اور غور کریں اس لئے کہ اہل بیت کو دوست رکھنا منطقی اور شائستہ روش کے مطابق ہونا چاہئے اس طرح کہ وہ سراسر اسلامی تعلیمات پر استوار ہو۔ امام علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میرے بارے میں دو افراد ہلاک ہوں گے ایسا چاہنے والا جو غلو کرتا ہے اور ایسا دشمن جو مجھے دشنام دیتا ہے یہاں غالی نے اعتدال کی روش ترک کردی اور دوسرے شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ حضرت علی علیہ السلام اسلام کے مظہر کامل ہیں

آپ سے برائت کا اظہار کیا۔

غلو کے مسئلہ میں جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں اس کی بنیاد علی علیہ السلام کا قول ہے، چونکہ علی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی یہ صورت پیش آئی کہ کچھ لوگ آپؑ سے اور آپ کی اولاد سے اظہار محبت والفت میں غلو وافراط کرنے لگے اور اعتدال سے خارج ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کے اقوال میں حق کا معنیٰ

اگر ہم حضرت علی علیہ السلام کے کلام کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ آپ کا کلام حق سے پُر ہے۔ آیئے حق کے بارے میں حضرت کے کلام پر نظر ڈالتے ہیں:

آگاہ رہو جس کو حق فائدہ نہ پہنچائے باطل بھی اسکو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

جب حق کی پیروی میں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور حق تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے تو تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اگر حق کو تم نے باطل کے لئے ترک کر دیا تو باطل کا ضرر زندگی میں تم کو اٹھانا پڑیگا چونکہ باطل کی پیروی اور حمایت میں کوئی فائدہ نہیں ہے چاہے بظاہر فائدہ نظر آئے، امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

باطل کو ہٹا دونگا تا کہ اس کے پہلو سے حق آشکار ہو جائے۔

یعنی آپ چاہتے تھے کہ باطل پوری طرح بے نقاب ہو جائے۔

اور یوں لوگ اسے باطل ہی سمجھیں۔ اسی طرح آپ نے حق کے باطل سے مخلوط ہو جانے اور باطل کے حق بنکر سامنے آنے کے متعلق بھی گفتگو کی ہے:

اگر باطل حق سے نہ مل جاتا اور حق اپنے پرستاروں سے پوشیدہ نہ
ہو جاتا اور اگر حق باطل سے چھپ نہ جاتا تو عناد رکھنے والوں کی
زبان بند رہتی۔

لیکن مشکل یہی ہے کہ حق اور باطل کے درمیان اشتباہ ہو جاتا ہے اور جو چیز حق ہے وہ لوگوں کو باطل نظر آنے لگتی ہے اور باطل حق لگنے لگتا ہے جب علی علیہ السلام نے خوارج کے کلام کو سنا جو کہہ رہے تھے:

خدا کے سوا کوئی بھی حکم نہیں ہے (یعنی حکم دینے کا حق صرف اللہ کو
حاصل ہے)۔

تو آپ نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے جس سے باطل مراد لیا گیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ
ج۲ص۱۸۵باب۳۲)

یعنی صرف کلام حق کو سنکر اس کی طرف چل پڑنا کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ حق کی آواز کے پس منظر پر بھی نظر رکھی جائے اس لئے کہ بعض افراد لوگوں کے احساسات اور جذبات سے فائدہ اٹھا کر انہیں حق کی مخالف سمت میں ہدایت کرتے ہیں اور بہت سے ایسے کلام حق ہوتے ہیں لیکن ان کا نتیجہ باطل ہوتا ہے...

امامؑ فرماتے ہیں:

ہر مظلوم میرے نزدیک عزیز ہے یہاں تک کہ اس کا حق اسے
دلا دوں اور ہر سرکش صاحب قدرت میرے نزدیک پست و حقیر ہے
یہاں تک کہ مظلوم کا حق اس سے واپس لے لوں۔ (شرح نہج البلاغہ
ج۲ص۲۸۴باب۳۷)

علی علیہ السلام کا موقف یہ ہے۔ آپ حق کے ساتھ اور غاصب کے مخالف ہیں۔ آپ کے لئے قوی اور کمزور میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ جو بھی حق کا طرفدار ہے آپ اس کے ساتھ ہیں اور جو بھی حق کا مخالف ہے آپ اس کے دشمن ہیں.

آپ حق پر عمل کو معیار قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا کے نزدیک لوگوں میں سب سے افضل وہ ہے کہ جسکی نظر میں حق پر عمل کرنا سب سے زیادہ محبوب ہو گرچہ اسے اس کی وجہ سے مشکل اور پریشانی کیوں نہ اٹھانا پڑے (شرح نہج البلاغہ ج ۸ ص ۱۰۳ باب ۱۲۵)

بعض اصحاب جو لوگوں سے کنارہ کش اور دور ہو جانے کی وجہ سے وحشت اور اکیلے پن کا احساس کرتے تھے اور لوگوں کے گھل ملنے سے مطمئن رہتے تھے ان سے آپ نے فرمایا:

حق کے سوا تمہارا کوئی مونس نہیں ہونا چاہئے اور باطل کے سوا تمہیں کسی چیز سے وحشت نہیں ہونی چاہئے (شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۲۵۲ باب ۱۳۰)

اسی طرح اپنی عدالت کی روش کے متعلق فرماتے ہیں:

خدا کی قسم میں مظلوم کے حق کو ظالم سے دلا کر رہوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے سرچشمۂ حق تک کھینچ لے جاؤنگا اگر چہ اسے یہ ناگوار بھی کیوں نہ گزرے. (نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۴)

جو لوگ بغیر گواہ کے اور صرف سن کر حکم صادر کر دیتے ہیں ان کے متعلق فرمایا سب سے پہلے حکم کی بنیادی چیز واضح ہونی چاہئے اور وہ عینی شاہد کا ہونا ہے، یا پھر لکھا ہوا

دیکھے اور شواہد کی بنیاد پر حکم صادر کرے:

> معلوم ہونا چاہئے کہ حق و باطل میں صرف چار انگلیوں کا فاصلہ ہے (جب آپ سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کر کے اپنے کان اور آنکھ کے درمیان رکھا اور فرمایا) باطل وہ ہے کہ جسے تم کہو کہ میں نے سنا اور حق وہ ہے کہ جسے تم کہو کہ میں نے دیکھا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۹)

اسی طرح آپ لوگوں سے کہتے تھے کہ چاہنے اور نفرت کرنے میں اعتدال کی راہ اپنائیں اور اس طرح محبت نہ کرنے لگیں کہ غلو ہو جائے اور کینہ رکھنے والے اس طرح پیش نہ آئیں کہ ظلم کے مرتکب ہوں:

> میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہوں گے ایک حد سے زیادہ چاہنے والے جنھیں (محبت کی افراط) غلط راستے پر لگا دیگی اور ایک میرے مرتبہ میں کمی کر کے دشمنی رکھنے والے کہ جنھیں یہ عناد حق کے راستے سے ہٹا دے گا میرے متعلق درمیانی راہ اختیار کرنے والے ہی سب سے بہتر حالت میں ہوں گے (نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۵)

حضرتؑ کے اس کلام سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانہ میں بہت سے افراد دوستی و محبت میں غلو اور دشمنی میں افراط کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ علی علیہ السلام لوگوں سے اس طرح خطاب فرما رہے تھے گویا اس وقت ہمارے درمیان زندگی گزار رہے ہیں، یہ جو اس وقت شور شرابا مچا ہوا ہے اس کی علت کیا ہے؟ عالم اسلام کیوں سقوط کی طرف بڑھ رہا ہے؟ کیوں دشمن اسلامی دنیا میں تفرقہ کی وجہ سے اس پر تجاوز اور حملہ کر رہے ہیں؟

امامؑ فرماتے ہیں: اے لوگو:

اگر حق کی نصرت سے دست بردار نہیں ہوتے اور باطل کو ذلیل کرنے میں سستی نہیں کرتے تو وہ جو تمہارے ہم پلہ نہیں ہیں وہ تمہاری نابودی کی طمع نہ کرتے اور کوئی بھی طاقتور تم پر کامیاب نہ ہوتا لیکن امت نے بنی اسرائیل کی طرح حیرت و سرگردانی کو خود مول لیا اور اسی میں ڈوبتے چلے گئی۔ اپنی جان کی قسم تم میرے بعد اور زیادہ سرگرداں ہوگے کیونکہ تم نے حق سے منہ موڑا، پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ سے کنارہ گیری کی اور بیگانوں سے نزدیک ہوگئے.

کیا ہم اس وقت اس طرح نہیں ہیں؟ مستکبرین سے مدد نہیں مانگ رہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امریکا مسلمانوں کا دفاع کرتا ہے اس لئے اس کی خوشنودی میں لگے رہتے ہیں اور بوسنیہ میں مسلمانوں کی جانبداری کی بنا پر امریکا کی تائید کرتے ہیں جبکہ امریکا سے کسی خیر کی امید نہیں رکھنی چاہئے اس لئے کہ وہ شر و فساد کی جڑ و بنیاد ہے اگر اس کے یہاں کوئی خیر نظر آ بھی جائے تو اس پر غور کرو کہ اسمیں امریکا کے لئے کیا فائدہ ہوسکتا ہے جو خیر و بھلائی کر رہا ہے اور قطعاً اس کے اندر کوئی شرارت ضرور ملے گی جس کا نمونہ ہم نے کوزوو میں وہاں کے لوگوں کو دوسرے ملکوں میں پناہ گزیں کرانے کی صورت میں دیکھا ہے، فلسطینیوں کا در بدر ہونا بھی اسی طرح ہے

بقول شاعر: اگر شیر کے دانتوں کو نکلا ہوا دیکھو تو ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ ہنس رہا ہے۔ بلکہ وہ تو موقع کی تلاش میں ہے اور پوری طرح آمادہ ہے کہ شکار کو دبوچ لے.

حق کی وصیت

حضرت امام علی علیہ السلام امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے اپنی آخری وصیت میں فرماتے ہیں: صرف حق کہنا، عقیدہ، شریعت، امانت داری، سیاست، قضاوت اور اجتماعی و فردی روابط میں صرف آخرت کی جزا کو مد نظر رکھنا چونکہ خدا جس کو قبول کر لیتا ہے وہی باقی رہتا ہے۔

چونکہ بعض شہروں کے گورنر اموال کی پرواہ نہیں کرتے تھے اس لئے عدالت پر استقامت اور پائداری کے متعلق فرمایا:

خدا کی قسم اگر حسنؑ و حسینؑ سے ایسا عمل سرزد ہوتو ان کو بھی نظر انداز نہ کرتا اور نہ ہی ان کی کسی خواہش کو پورا کرتا یہاں تک کہ حق کو ان سے لے لیتا۔ (شرح نہج البلاغہ ج۱۶ص۱۶۸اباب۴۱)

آپ کا یہ کلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو یاد دلاتا ہے جب آنحضرتؐ نے فرمایا:

یقیناً جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ چلے گئے ان کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی حسب ونسب والا شخص چوری کرتا تھا تو اسے کچھ نہیں کہتے تھے اور اگر کوئی بے اصل ونسب چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دونگا۔

البتہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے ایسا عمل سرزد ہو ہی نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ,,لو،، (اگر) حرف امتناع ہے اور امتناع شرط کے لئے جواب ہے اور آنحضرتؐ اس عبارت کو کہہ کر عدالت کے قیام کی آخری حد بیان کرنا چاہتے تھے۔

حضرت امام علی علیہ السلام لوگوں سے کہتے تھے کہ باطل کی مدد نہ کرنے کے بہانے حق سے منہ نہ موڑیں اس لئے کہ انسان کو حق و باطل کے درمیان بے طرف نہیں ہونا چاہئے بلکہ حق کے ساتھ اور باطل کے مقابل ہونا چاہئے یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب کچھ لوگوں نے معاویہ کے خلاف جنگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی:

حق کو ذلیل کیا اور باطل کی مدد نہ کی حق کو اس کے پیروؤں کے ذریعہ پہچاننا چاہئے

سعید بن عبداللہ بن عمر کے متعلق فرمایا:

ان دونوں نے حق کو ذلیل کیا اور باطل کی مدد کی۔ بے طرفی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ جو افراد بے طرف ہیں گرچہ انھوں نے جنگ میں شرکت نہیں کی اور باطل کی مدد نہیں کی لیکن جب حق سے دور ہوتے ہیں تو حق ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کا فائدہ اٹھا کر باطل کامیاب ہو جاتا ہے۔

یقیناً جو شخص علی علیہ السلام کی امامت میں نماز کو بہتر اور معاویہ کے دستر خوان پر کھانا کھانے اور بے طرف ہونے میں خود کو با امن تر محسوس کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ علی علیہ السلام کی امامت میں اسے نماز جماعت فائدہ نہ دیگی، ہاں مگر یہ کہ وہ علی علیہ السلام کی طرح

زندگی گزارے، چنانچہ جب نماز میں علیؑ کے ہمراہ ہے تو اسے راہ خدا میں ہونا چاہئے چونکہ علیؑ بھی خدا کے ہمراہ ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی علیؑ کے ہمراہ ہو، علیؑ کے ساتھ نماز پڑھے اور شیطان کی ہمراہی کرے! غیر جانب دار ہونا راستے کو اور خطرناک کر دیتا ہے، حق کے متعلق خاموش رہنے والا بے زبان اور گونگا شیطان ہے یعنی حق کہہ سکتا ہے لیکن خاموشی اختیار کرتا ہے ایسا فرد گونگا شیطان ہے آج کے مسلمانوں کی سب سے بڑی مشکل سکوت ہے جو اس طرح اپنے کو غیر جانبدار ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

> پروردگارا آج کی روٹی ہمیں دے دے اور ہمکو شریر افراد کے ہاتھوں سے نجات دے اس طرح کے افراد اگر شر کے مقابل اور خیر کے ہمراہ نہ ہوں تو نجات نہیں پاسکتے.

جنگ جمل میں آپ کے بعض دوستوں نے بطور اعتراض کہا:

> کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ گمراہ جب کہ انکی تعداد زیادہ ہے تو امام علیؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: اے فلاں تونے صرف نیچے دیکھا اور اوپر نہیں دیکھا اس وجہ سے حیران و پریشان ہے تونے حق کو نہیں پہچانا کہ اہل حق کو پہچان پاتا اور نہ ہی باطل کو پہچانا کہ تجھ میں بصیرت ہوتی کہ ان کی شناخت کرسکتا

آپ نے اپنے دوسرے بیان میں فرمایا:

> حق کو پہچانوں تاکہ اہل حق کو پہچان سکو اسی طرح باطل کو پہچانوں تاکہ اہل باطل کو پہچان سکو.

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

حق لوگوں کی کثرت سے نہیں پہچانا جاسکتا، اگر کسی کے جاہ و منصب کو
سامنے رکھا جائے تو حق کا معنی دوسری چیزوں کے ساتھ مشتبہ (گڈمڈ)
ہونے لگتا ہے اور صاحبان مقام کو حق پر سمجھنے لگتے ہیں!

اور بنیادی مشکل یہیں ہے کہ ہم حق کو نہیں پہچانتے جسے معیار قرار دیکر لوگوں
کے حق یا باطل پر ہونے کا یقین کر سکیں.

ابن عباس حضرت علی علیہ السلام کے دانشمندانہ خط کے متعلق کہتے ہیں:
میرے لئے کوئی بھی کلام اس درجہ مفید اور قیمتی نہیں ہوسکتا: میں کبھی اس
شئی کو پاکر خوش ہونے لگتا ہے جو اس کے ہاتھ سے جانے والی تھی ہی
نہیں، اور ایسی چیز کی وجہ سے رنجیدہ ہوتا ہے جو اسے ملنے والی ہی نہ تھی
لہذا لذت کا حصول اور جذبہ انتقام کو فرو کرنا ہی تمہاری نظروں میں
بہترین نعمت نہ ہو بلکہ باطل کو مٹانا اور حق کو زندہ کرنا ہو اور تمہاری خوشی
اس ذخیرہ پر ہونا چاہئے جسے تم نے پہلے ہی آخرت کے لئے فراہم کیا
ہے ﴿جو کچھ بھلائی پہلے ہی سے (خدا کے یہاں) اپنے لئے بھیج
دوگے اسے پروردگار کے پاس موجود پاؤگے اور جو کچھ تم کرتے ہو
پروردگار عالم دیکھ رہا ہے﴾ (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۰) اور تمہارا رنج اس
سرمایہ پر ہونا چاہئے جسے صحیح مصرف کئے بغیر چھوڑ رہے ہو اور
تمہیں صرف موت کے بعد کی فکر ہونی چاہئے۔

اور یہی صورت اس وقت بھی نظر آتی ہے:
جب آپ جوتی سی رہے تھے تو جب ابن عباس سے کہا اس جوتی

کی قیمت کیا ہوگی انہوں نے جواب دیا اس کی تو کوئی قیمت ہی نہیں تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں تم پر حکومت کرنے سے زیادہ اس جوتی کی قیمت کا قائل ہوں مگر یہ کہ اس حکومت کے ذریعہ حق کو قائم کردوں اور باطل کو مٹا دوں۔

حکومت آپ کے لئے آرزو اور نفسانی خواہش نہ تھی بلکہ اسے حق کو قائم کرنے اور باطل کو مٹانے کے لئے بہترین وسیلہ سمجھتے تھے۔

معرفت حجت ہے

حضرت امام علی علیہ السلام نے اخلاقی مفاہیم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو اپنے اس برادر مومن کے بارے میں جو دین پر قائم اور راہ مستقیم پر گامزن ہے کان نہ دھرو کیوں کہ جس طرح تیر خطا کر جاتا ہے باتیں بھی غلط ہوتی ہیں اس لئے جو بھی کوئی بات کہے ضروری نہیں ہے کہ حقیقت ہو۔ باتیں تو بس کہہ دی جاتی ہیں گفتار باطل تو تباہ ہو جانے والی ہے خدا سننے والا اور گواہ ہے۔

علی علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

"حق اور باطل کے درمیان چار انگل سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے اور جب آپ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کے اس کلام کا مطلب کیا ہے تو آپ نے اپنی چار انگلیوں کو آنکھ اور کان کے

درمیان رکھ کر فرمایا: باطل وہ ہے کہ جسے تم کہو میں نے سنا اور حق
وہ کہ جسے تم کہو میں نے دیکھا''

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ان میں سے کتنے ہیں جو نہایت یقین اور اطمئنان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے دیکھا؟ کیا انکی تعداد دس فی صد ہوگی؟ لیکن جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا انکی تعداد کافی ہے درحقیقت ہماری مشکل وہی ہے جسے شاعر حکیم شیخ محمد رضا شبیبی کہتے ہیں:

لوگ دوسروں کے متعلق سنکر فیصلہ کرتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو
بند کر لیتے ہیں اور کان آنکھ میں اور آنکھ کان میں تبدیل ہو جاتی
ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے اور ایسا نہیں ہوتا؟

بحث یہاں اس سے نہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے بارے میں کیا کہتے ہیں یہاں تو حقیقت سے آگاہی کا مسئلہ ہے وہ یہ کہ اگر کسی چیز کو علمی، اعتقادی، سیاسی، سماجی لحاظ سے حق کی شناخت کا معیار قرار دیں اور موجودہ وسائل کے ذریعہ اسے صدفی صد ثابت بھی کر دیں تو اس کے متعلق لوگوں کا ردعمل مختلف ہوگا' بعض تو مان لیں گے اور بعض صرف گمان کی حد تک ہی رہیں گے جبکہ اسلام چاہتا ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے مسائل بالخصوص اعتقادی باتوں پر یقین پیدا کریں اور گمان پر اکتفانہ کریں.

دوسروں کو نصیحت سے پہلے عمل ضروری ہے

وہ افراد جو دوسروں کو موعظہ و نصیحت کرتے ہیں اور تبلیغ اور خطابت جیسے اہم

فرائض کو انجام دیتے ہیں ان کو علی علیہ السلام کی تاکید یہ ہے: جو بھی لوگوں کے لئے خود کو پیشوا قرار دے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ قبل اس کے کہ لوگوں کو تعلیم دے خود اپنے آپ کو تعلیم دے، یعنی اول وہ خود کو تعلیم دے تا کہ اس کی تعلیم گفتار سے زیادہ رفتار کے ذریعہ ہو اور جو بات کہے وہ اسکے وجود کی گہرائی سے نکلے نہ صرف زبان سے ؛ اس لئے کہ صرف زبان سے کلمات کا ادا کر دینا بہت آسان ہے لیکن فکر و قلب اور زندگی کی گہرائیوں سے کلمات کا ادا ہونا اس بات کا محتاج ہے کہ بولنے والا خود اس بات کو دل و جان سے قبول کرتا ہو اور اس پر عمل پیرا ہو اور وہ کلام اس کی زبان سے خارج نہ ہو بلکہ درحقیقت اس کے وجود سے ابھر کر سامنے آیا ہو۔ بہتر ہے کہ انسان خود اپنی تربیت کرے اور زبان کی اصلاح کرنے سے پہلے اپنے رویہ کی اصلاح کرے پھر لوگوں کی اصلاح کرے، اگر لوگوں کو کوئی فکر دے اور خود اس پر عمل نہ کرے تو پروردگار عالم کے اس قول کا مصداق ہے:

> اے لوگو کیوں ایسی بات کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ براوہ شخص ہے جو کوئی بات کہے اور اسپر خود عمل نہ کرے۔ (سورۂ صف ۲۔۳)

حقیقت کی جستجو میں

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان کو اس عالم کی وسعتوں میں حق و حقیقت کی تلاش میں رہنا چاہئے اور علم و دانش کے حصول کے وقت مفید علوم کی تلاش میں رہنا چاہئے اور

اساتذہ کے درمیان کسی فرق کا قائل نہیں ہونا چاہئے اس دنیا کے اندر تلاش کرنا چاہئے اور ہر عالم سے کسب علم کرنا چاہئے چاہے وہ کافر ہو یا منافق، فرق نہیں پڑتا کیوں کہ اگر کافر یا منافق سے علم حاصل کرے گا تو کافر یا منافق نہیں ہو جائے گا؛ وہ اس کے علم وحکمت کو سیکھ رہا ہے نہ کہ اس کے عقاید کو؛ اور حکمت کافر و مومن کے سینے میں بطور مساوی موجود رہتی ہے.

چنانچہ علم و حکمت کے حصول میں اپنے کو کسی تنگ دائرے میں محبوس نہیں کر لینا چاہئے بلکہ دنیا میں موجود تمام علوم کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

جو کچھ تم سنتے ہو اسے بغیر فکر کئے قبول نہ کرلو

چونکہ آواز کے کان میں جانے اور اسے توجہ سے سننے کے درمیان فرق ہے؛ سننا یعنی آواز کا صرف کان میں جانا جس پر اسکی کوئی توجہ نہ ہو لیکن کان دھرنا یعنی جس پر اسکی پوری توجہ ہو اور اسکی فکر میں بھی اسکی وجہ سے تبدیلی آئے امام فرماتے ہیں:

حکمت جہاں بھی ہو حاصل کرلو اگر منافق کے سینے میں ہو تو چین سے نہ رہے گی یہاں تک کہ مومن کے سینے میں آ کر قرار لے گی.

اگر حکمت منافق کے سینے میں ہو تو وہاں سے نکل آئیگی اس لئے اسے حاصل کر لو اور دیگر علوم کے ساتھ اسے بھی شامل کرلو۔

آپ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے اس لئے حکمت کو حاصل کرلو

اگر چہ وہ منافق ہی کے پاس کیوں نہ ہو"۔

فقیہ کامل

امام عالی مقام یہاں پر لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں: کیا لوگوں کو جنت کے بارے میں اس طرح آگاہ کرنا چاہئے کہ وہ سیدھے جنت میں چلے جائیں گے اور انھیں کسی طرح کی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور کیا لوگوں کو جہنم کے بارے میں اس طرح ڈرانا چاہئے کہ ساری خلق خدا جہنمی ہے! امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

الفقیہ کل الفقیہ من لم یقنط الناس من رحمة الله

فقیہ کامل وہ ہے جو لوگوں کو خدا کی رحمت سے مایوس نہ کرے

عوام کے گناہوں اور لغزشوں کے بارے میں اس طرح گفتگو نہیں کرنی چاہئے کہ گنہگار پوری طرح سے مایوس ہو جائیں اور یہ سوچنے لگیں کہ ان پر رحمت کے تمام دروازے بند ہو گئے ہیں

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

ولا تیاسوا من روح الله انه لا ییئس من روح الله الا القوم. الکافرون خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ کافروں کے علاوہ کوئی بھی خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔ (یوسف ۸۷)

اسی طرح دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

و رحمتی وسعت کل شئی

خدا میری رحمت سبھی کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے (سورۂ اعراف ۱۵۶)

امام علی علیہ السلام مزید فرماتے ہیں: انھیں رحمت حق سے مایوس نہ کرو۔ پروردگار عالم نے ہمیشہ انسان کے لئے لطف و رحمت کی راہیں کھلی رکھی ہیں اور اسے بند نہیں کیا ہے ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ یہ مکر خدا سے محفوظ نہیں ہیں اور انسان کو اس سے ڈرائے کہ وہ اسکی پوری زندگی پر محیط ہے، جس کے اختیار میں انسان کی پوری زندگی ہے وہ انسان کو مواقع فراہم کرتا ہے لیکن اس سے غافل نہیں ہو جاتا

و قد علمت انه لیس فی حکمک ظلم و لا فی نقمتک عجلة انما یعجل من یخاف الفوت و یحتاج الی الظلم الضعیف.

میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرے حکم میں ظلم کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا چونکہ جلدی وہ کرتا ہے جو ڈرتا ہے کہ وقت اس کے ہاتھ سے نکل جائیگا اور کمزور شخص پر ظلم کرنا چاہتا ہے.

علم خیر ہے

امام علی علیہ السلام سے خیر و خوبی کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا: اگر تمہارے علم میں اضافہ ہوگا تو تم بہتر اور افضل درجات حاصل

کرتے رہو گے، تمہارے جذبات میں توازن آ جائیگا، تم انسانی کمال کی طرف گامزن ہو جاؤ گے۔

مولائے کائنات فرماتے ہیں:

خیر یہ ہے کہ تمہارے صبر و شکیبائی میں اضافہ ہو، تمہاری عقل میں وسعت آنے کے ساتھ ساتھ تمہیں وسعت قلبی بھی حاصل ہو، تم وسیع القلب بن جاؤ، جو نرم دل ہوتا ہے دانشمندی سے مشکلوں کا مقابلہ کرتا ہے اور وہ ضرورت کے موقع پر معاف کر دیتا ہے اور جب معاف کرنے میں مصلحت نہیں دیکھتا تو معاف نہیں کرتا.

آپ خیر کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خیر وہ ہے کہ تم عبادت میں اس قدر آگے بڑھ جاؤ کہ اپنی عبادت سے دوسروں پر مباحات کر سکو یہاں مباحات سے مراد فخر اور غرور نہیں ہے جس سے عبادت تباہ اور ضایع ہو جاتی ہے بلکہ انسان کو خدا سے عبادت کی توفیق طلب کرنی چاہئے عجب و تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اگر اچھا کام کیا تو اس پر شکر خدا بجالاؤ اور اگر گناہ کیا تو استغفار کرو اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق دنیا میں کوئی بھلائی نہیں ہے مگر دو طرح کے لوگوں کے لئے اور یہ انجام کے لحاظ سے ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں کوئی خیر نہیں ہے جس سے عوام کو نقصان پہنچے اور کوئی شر نہیں ہے جس سے جنت حاصل ہو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے چل کر فرماتے ہیں:

اس گنہگار کے لئے جو اپنے گناہ پر توجہ کے ساتھ نادم ہو اور توبہ
کرے اور دوسرے وہ بھلائی کرنے والا جو نیک کام میں جلدی کرے
اور تقویٰ کے ہمراہ عمل (انجام دے) چھوٹا شمار نہیں کیا جاسکتا.

پرہیزگاری اختیار کرو اور اپنے عمل کی کثرت اور تعداد پر نگاہ نہ کرو اس لئے کہ مکمل تقواہی عقل، قلب اور قوا کی پرہیزگاری کا باعث ہوتا ہے اس لئے عمل کی زیادہ مقدار اہم نہیں ہے چونکہ کوئی بھی عمل اپنی روح کے بزرگ ہونے سے بزرگ ہوتا ہے ایسا عمل جو کہ معنوی طور سے اس پر محیط ہو جائے اور پھر جس عمل کو خدا قبول کرے کیا وہ چھوٹا ہوسکتا ہے؟

لہٰذا عمل کا بڑا یا چھوٹا ہونا خدا کی جانب سے اس کے قبول ہو جانے سے مشروط ہے، چونکہ انسان اس کے ذریعہ سے خدا سے نزدیک ہوتا ہے اور وہی عمل اسے پروردگار عالم کے نزدیک بزرگ کرتا ہے، پھر امام علیہ السلام فرماتے ہیں جو تم سنتے ہو اس کے متعلق فکر کرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام سے ہم بہت سی حدیثیں سنتے ہیں جو سماجی، سیاسی اور عسکری لحاظ سے زندگی سے متعلق ہوتی ہیں پھر کیا مسئلہ صرف روایات واحادیث کا سننا اور سنانا ہے؟ یا انہیں سننا اور سمجھ کر یاد کرنا اور اسکی تحلیل کرنا ہے؟ اس طرح کہ اس کے تمام عناصر کو مدنظر رکھیں اور دیکھیں کہ یہ حقیقت سے نزدیک ہیں یا نہیں؟ کیا حق کے مخالف تو نہیں ہیں؟ اور عقل کے ساتھ سازگار ہیں یا نہیں؟ کیا اشیاء کی حقیقت کو واضح کرتی ہیں یا اس کے برعکس ہیں؟ خطرہ تو ان لوگوں سے ہے جو احادیث کو سنتے ہیں اور اسمیں تحریف کر دیتے ہیں اور پھر اسے لوگوں میں پھیلانا شروع کر دیتے ہیں

چنانچہ ممکن ہے اس طرح سے عوام کے درمیان رائج بہت سے مسلمات کو خطرہ لاحق ہو جائے لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ان پر غور وفکر کر کے عمل کرنا چاہئے.

حضرت کا ارشاد ہے:

جس طرح اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی کا خیال رکھتے ہو اسی طرح جب کوئی خبر سنو تو اسے اپنی عقل پر پرکھو اور سمجھنے کے بعد عمل کرو نہ یہ کہ سنو اور عمل کرنے لگو، اس لئے کہ راویان علم کثرت سے ہیں اور اسپر عمل کرنے والے کم ہیں چنانچہ ہماری مشکل وہ افراد ہیں جو علم کی حفاظت نہیں کرتے اور علم، عقل اور تدبر کی بنیاد پر عمل نہیں کرتے،

دنیا وآخرت کا نقصان

امام علی علیہ السلام دنیا اور آخرت کے نقصان کے متعلق فرماتے ہیں:

لوگ اپنی دنیا کی اصلاح کے لئے دین کی کوئی چیز ترک نہیں کرتے مگر خدا ان کو اس سے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز سے دوچار کر دیتا ہے

ہم نے اپنی دنیوی زندگی، شہوتوں، خواہشوں اور پوچ مصلحتوں کی خاطر دین کو نظر انداز کیا ہے اور کس درجہ ہم نے دین کے ان احکام سے سرپیچی کی ہے جو ہمیں ظالموں اور مستکبروں کے مقابلہ کی دعوت دیتے ہیں ہم نے ان کے سامنے سربلند کرنے کے بجائے سر جھکایا اور ان کے پیروں تلے کچلے گئے، ہمیں خدا کی راہ میں کسی بھی سرزنش کرنے والے کی سرزنش پر تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے؛ کتنے ہی ایسے مقامات ہیں جہاں

ہم کو احتیاط کرنی چاہئے تھی لیکن ہم نے اسے جائز قرار دیا اور کس قدر مشکلوں کا ہم کو سامنا کرنا پڑا، ہم نے اس بے احتیاطی کے ذریعے ایک مشکل سے نجات چاہی اور بہت سی مشکلات میں گھر گئے۔

یہ تو رہی دنیا کی بات لیکن آخرت میں:

اس روز جب ہر شخص اپنے دفاع اور بچاؤ کی تلاش میں ہوگا (سورۂ جن آیت ۱۱۱) کیا اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا لیا (سورۂ جاثیہ آیت ۲۳) تو بھلا وہ شخص جسے (شیطانی اغواسے) اچھا کر دکھایا گیا ہے (سورۂ فاطر آیت ۹) یہ وہ لوگ ہیں کہ جنکی دنیاوی زندگی کی سعی وکوشش سب اکارت ہوگئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں (سورۂ کہف آیت ۱۰۴)

بہر حال (یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ) اگر دین ہمارے ہاتھ سے چلا جائے تو دنیا و آخرت دونوں ہی تباہ ہو جائینگی۔

حضرت علی علیہ السلام کی پیروی

علی علیہ السلام کی ذات ایسی ہے جو کُل کی کُل حق ہے کیا ہم ان کے ہمراہ نہیں ہونا چاہتے؟ بلاشبہ جو بھی باطل پر ہو نہ وہ علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور نہ علی علیہ السلام اس کے ساتھ ہیں حق کو اگر تلاش کرنا ہے تو علی علیہ السلام کی زندگی میں تلاش کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ علی علیہ السلام کی پیروی کیسے کی جاسکتی ہے اس لئے کہ علی علیہ السلام کی ہمراہی خدا اور رسول ؐ کی

ہمراہی ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

میرے اور تمہارے امور یکساں نہیں ہیں میں تمھیں خدا کے لئے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے لئے چاہتے ہو۔(بحار الانوار ج ۳۲ باب ۱/۱۹ ص ۳۳)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

جب تک مسلمانوں کے امور روبراہ رہیں گے اور سوائے میرے کسی پر ستم نہ ہوگا تو میں اس (قیادت وحکومت) سے کنارہ کش رہوں گا۔(شرح نہج البلاغہ لابن ابی حدید ج ۶ باب ۷۳ ص ۱۶۶)

کیا ہم مسلمانوں کے امن وامان کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں یا ہر روز فتنہ وفساد اور اختلاف کو ہوا دے رہے ہیں؟ کیا یہی اسلام ہے؟ اور کیا تشیع یہی تشیع ہے؟ کیا لوگوں کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کہیں کہ علی کے محب ہیں اور انکی پیروی کرتے ہیں اور عملاً کچھ نہ کرتے ہوں؟ اور پھر کہیں رسول خدا علی سے بہتر ہیں، کیا کسی شخص کا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ رسول خدا کو دوست رکھتا ہے اور آنحضرت کی سنت پر عمل نہ کرے؟

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

جو بھی خدا کو دوست رکھتا ہے ہمیں بھی دوست رکھتا ہے اور جو بھی خدا کا دشمن ہے ہمارا بھی دشمن ہے۔ خدا کی قسم ہماری ولایت گناہ سے پرہیز کئے بغیر نہیں مل سکتی،

غدیر سے سبق

دوستو ہماری یہ گفتگو حضرت علی علیہ السلام کی ہمہ گیر شخصیت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے ہم حضرت علی علیہ السلام کو صدر اسلام کے حالات اور اعلان رسالت کے وقت رسول خدا کو جن حالات کا سامنا تھا ان سے پہچان سکتے ہیں، ان حالات میں بطور کامل احکام اسلام اجرا نہ ہو سکے اور اسلام ایک ایسے فرد کا محتاج تھا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کار رسالت کو آگے بڑھائے اور اسے عملی کرے اور اس کام کو اس طرح انجام دے جیسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا، یہ کام وہی انجام دے سکتا تھا جس نے اپنے پورے وجود سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی رسالت کو درک کیا ہو اور حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی تھی.

"قل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم و نسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم". (سورۂ آل عمران آیت ۶۱)

"کہہ دو (اچھا میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو (بلائیں) تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی جانوں کو (بلائیں) اور تم اپنی جانوں کو.

یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ رسول خدا نے خدا کے حکم سے غدیر خم میں حضرت امام علی علیہ السلام کی امامت کا اعلان کیا تھا آپ جانتے تھے کہ علی علیہ السلام کی ذات کے ذریعے ہی اسلام میں آپ کی رسالت، صفات، روش اور پاکیزگی باقی رہے گی کیونکہ حضرت علی علیہ السلام

پوری طرح سے آپ کی ذات کا آئینہ تھے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمھارے نفوس پر تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ اس سے صرف حکومت کا معنیٰ نکلتا ہے اور پھر فرمایا جس کا میں مولا ہوں یہ علی علیہ السلام بھی اس کے مولا ہیں پروردگارا جو اسے دوست رکھتا ہے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھتا ہے تو اسے دشمن رکھ، جو اس کی نصرت کرے تو بھی اسکی نصرت کر، جو اسے ذلیل کرے تو اس کو رسوا کر اور حق کو ادھر قرار دے جدھر یہ ہو۔

وقت گذرتا رہا اور انحراف پیدا ہوتے رہے اور اسلام کا رُخ ہی تبدیل کر دیا گیا اور لوگ من مانی پر اتر آئے اور دین میں تحریف کی اسی لئے رسول خداؐ نے اپنی زندگی کے آخری لحات میں فرمایا:

آتونی بدواۃٍ و کتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی ابدا!

مجھے قلم اور دوات دے دو کہ تمہارے لئے نوشتہ لکھ دوں تا کہ تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔

جس کے جواب میں کہا گیا کہ یہ (آنحضرتؐ) ہذیان بک رہا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھنے کی راہ میں مانع ہوئے بعد میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا لکھنا چاہتے تھے تو آپ نے فرمایا: اب اپو چھ رہے ہو جب تم لوگوں نے ساری باتیں کہہ ڈالیں۔

یادرہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو جو آج طرح طرح کی مشکلات اور ثقافتی وفکری پریشانیاں لاحق ہیں وہ اسی واقعہ کا نتیجہ ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر عمل نہ کرنے کی وجہ

سے ہی آج عالم اسلام اختلافات اور تفرقوں کا شکار ہے اور ہم اس نامناسب صورت حال میں گرفتار ہیں .

جب ہم غدیر کے متعلق تاکید کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصود غدیر کی حقانیت کی تاکید ہے، ہم پر واجب ہے کہ علیؑ کی راہ وروش پر اسلامی وحدت کی طرف آگے بڑھیں اور اسی طرح عمل کریں جیسے آپؑ نے اسلامی وحدت کے لئے اقدام کیا اور بحث وگفتگو کی روش کو اپنایا چنانچہ ہمیں بھی گفتگو کے دروازے کو کھلا رکھنا چاہئے .دینی مصلحت اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور امن امان کے لئے وہی راہ اختیار کریں جو امامؑ نے اختیار کی تھی .اس لئے کہ اگر ہم اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیں تو امر مسلم ہے کہ عالمی کفر اسلام کی مکمل نابودی کے در پے ہے لہٰذا ہمیں چاہئے کہ حضرت علیؑ کی فکری اور ثقافتی روش کو اسوۂ عمل قرار دے کر اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و پیشرفت کے لئے کوشش کریں اور عصری تقاضوں کے مطابق احساس ذمہ داری کریں ،انانیت اور بے جا تعصب کا شکار نہ ہوں کیونکہ بے جا تعصب ہماری بنیاد کو متزلزل کرسکتا ہے ہم خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے دین کامل کیا اور نعمتیں تمام کیں سورۂ مائدہ کی اس تیسری آیت میں اتمام نعمت اور اکمال دین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ارشاد خداوندی ہے: آج میں نے تم پر دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تمام کردیں اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہوگیا.

ولایت غدیر

سوال وجواب

س: کیا معصوم امام کی امامت وولایت عوام کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے یا اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ضروری ہیں؟

ج: اگر معصوم امام کی ولایت کے لئے انتخابات کی ضرورت ہوتی تو پیغمبر ﷺ اپنی دعوت کی ابتدا میں ہی کامیاب نہ ہوتے، کیونکہ اس وقت آپ کے حامیوں کی تعداد کافی نہ تھی بلکہ اکثریت آپ کی مخالف تھی لہذا اگر مقصود یہ ہوتا کہ معصوم امام، پیغمبر، یا پیغمبر کے علاوہ کوئی اور صرف عوام کی مرضی سے اس مقام پر فائز ہو تو کوئی بھی اس مقام تک نہ پہنچ پاتا.

مسئلہ یہاں یہ ہے کہ پروردگار عالم خود منتخب کرنے والا ہے اور وہی لوگوں کے درمیان سے پیغمبر کا انتخاب کرتا ہے جیسا کہ قران مجید میں آیا ہے:

بے شک خدا نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو سارے جہان سے منتخب کیا۔ (سورۂ آل عمران آیت ۳۳)

پروردگار عالم فرشتوں کے درمیان پیغمبر انتخاب کرتا ہے۔

(سورۂ حج ۲۲)

اسی دلیل کی بنیاد پر ولایت اور پیغمبری ایک الٰہی امر ہے جس کا حکم پروردگار عالم نے دیا اور اسکی اطاعت ضروری ہے۔

س: غیر شیعہ کو کس طرح قانع کیا جا سکتا ہے کہ آیت اکمال الدین واتمام النعمہ علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر ﷺ کے بیعت لینے پر قرآنی دلیل ہے؟

ج: قرآن مجید کی اس آیت میں عمومیت پائی جاتی ہے لیکن جب ہم سنت، کتب تفاسیر اوران مباحث کا مطالعہ کریں جسمیں اس موضوع سے متعلق گفتگو ہوئی ہے تو انمیں بہت سی احادیث نظر آتی ہیں جن کے مطابق یہ آیت شریفہ روز غدیر نازل ہوئی اوراس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی علیہ السلام کے متعلق اعلان ولایت فرما چکے تھے.

چنانچہ غدیر کا تعلق شیعہ یا غیر سنی ہونے سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے جس کے بارے میں موجود اسناد و مصادر میں تحقیق کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق موافق اور مخالف مصادر کا موازنہ کریں تو اس طرح ہم علمی تحقیق جسمیں ایک قطعی نتیجہ پر پہنچنا مقصود ہوتا ہے تک پہنچ سکتے ہیں

ہم تمام اسلامی اور غیر اسلامی مسائل میں لوگوں کو ہمیشہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ خواہ شیعہ ہوں یا سنی موضوع کو کسی خاص زاویہ سے جس پر وہ مصر ہوں نہ دیکھیں، بلکہ اس موضوع کو ان عام مسلمانوں کی طرح دیکھیں جو اس سے متعلق اسلام کی نظر معلوم کرنا چاہتے ہیں، یہ قطعاً غیر صحیح ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں ہی اپنی مخصوص فکر کے تحت اپنے نظریات کو ثابت کریں. بلکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ مذکورہ مسئلہ میں اپنی فکر میں لچک پیدا کریں اور قرآن مجید کی اس آیت سے الہام حاصل کریں

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والی الرسول

''اگر کسی چیز کے متعلق تم میں نزاع ہو تو اسے خدا ورسول پر چھوڑ دو''۔(سورۂ نساء آیت ۹)

یعنی اسلامی فہم و شناخت کے ذریعہ راہ حل پیدا کی جاسکتی ہے اور اسلامی موقف

اختیار کرنے میں کتاب خدا کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے لیکن اگر بادیہ نشینوں کی طرح ہٹ دھرمی کریں جو کہ صرف اپنی بات منوانا چاہتے تھے اور صرف اپنی بات کی تائید کرتے تھے تو کسی نتیجہ پر نہ پہنچیں گے. اس لئے کہ یہ روش صحیح نہیں ہے. چونکہ اسی کے ذریعہ تعصب وجود میں آتا ہے اور انسان کو ایسے زاویہ سے سوچنے پر مجبور کردیتا ہے کہ وہ تمام چیزوں کو بیکار اور بے بنیاد سمجھنے لگے. چنانچہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ایسے شخص کی طرح پیش آئیں جو حقیقت کا جویا ہو نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو صرف اپنی بات منوانا چاہتا ہو. اور اس کی نظیر تو ہماری نظروں کے سامنے ہے ہم دیکھتے ہیں کہ پروردگار عالم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گفتگو کا کیا طریقہ بتایا ہے، فرماتا ہے:

وانا وایاکم لعلی ھدی او فی ضلال مبین

اور میں یا تم، دونوں میں سے ایک ضرور راہ راست پر ہے (اور دوسرا گمراہ) یا وہ صریحی گمراہی میں پڑا ہے (سورۂ سباء آیت ۲۴)

کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر شک تھا کہ آپ ہدایت پر ہیں اور وہ گمراہی پر ہیں؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی جس نے حق وحقیقت سے لوگوں کو آشنا کرایا اور خود بھی اس کے معتقد تھے. اس جگہ پروردگار عالم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتا ہے کہ جب تم اپنے دشمن سے گفتگو کرو تو ایسے رہو کہ گویا اس مسئلہ میں تمہیں تردید ہو اور تم اس کو حل کرنا چاہتے ہو اور اس مسئلہ میں مد مقابل بھی اسی طرح پیش آئے تب اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جرح وبحث کے وقت اور حقیقت تک پہنچنے میں دونوں مساوی رہو گے نہ وہ خود کو تم پر تحمیل کرے گا نہ ہی تم اس طرح پیش آؤ گے چونکہ اس روش میں تعصب کی کوئی گنجائش نہیں رہ

جاتی،تعصب خاص فکر اور نظریہ سے وجود میں آتا ہے.

س: کیا آپ (شیعوں) کے پاس علی علیہ السلام کی امامت کے متعلق موجود نوشتہ جات کے علاوہ بھی کوئی اور دلیل ہے؟ بعض لوگ انکی زندگی گذارنے کی روش کو بیان کرتے ہیں کیا انکی امامت کے اثبات کے لئے یہ کافی ہے؟

ج: اول یہ کہ کوئی اسلامی حکم یا کسی اسلامی موقف کو اختیار کرنے میں آپ کو یہ سوچنا چاہئے کہ کیا اسلامی مدارک وماآخذ سے ہٹ کر بحث کی جاسکتی ہے یا یہی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اس سلسلہ میں ہمارے اہم ترین مصدر اور ماخذ کتاب خدا اور سنت رسولؐ ہیں۔ہم نے جس بات کا ذکر کیا ہے اس سے آیات وروایات کی اہمیت وحقیقت کا پتہ چلتا ہے یعنی آیات وروایات محض نصوص کی حالت سے خارج ہوکر حکم تک پہنچاتی ہیں یہاں پر علم عروض کے موجد اور عربی میں سب سے پہلی لغت کے مصنف احمد الفراہیدی کا قول کتنا بجا معلوم ہوتا ہے ان سے پوچھا گیا آپنے حضرت علی علیہ السلام کو دوسروں پر کیوں مقدم کیا؟ تو کہنے لگے

"احتیاج الکل الیہ و استغنائوہ عن الکل دلیل علی انہ امام الکل".

"ساری مخلوق انکی محتاج ہے اور وہ کسی کے محتاج نہیں اور یہی دلیل ہے کہ کل کے امام ہیں"۔

س: بعض افراد علی علیہ السلام کی طرف از خود کھنچے چلے آتے ہیں، ان کی شخصیت میں اس سحر آمیز کشش کا راز کیا ہے؟ اسی طرح بعض افراد کو حضرت کی مقدس ذات سے دشمنی

ہے اور وہ آپ سے کدورت رکھتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

ج: علی علیہ السلام کی طرف جذب ہونے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر علی علیہ السلام کی شخصیت کو آپ سامنے رکھیں تو آپ بھی ان کی طرف نا خواستہ طور پر کھنچ کر چلے آئیں گے اس لئے کہ ان کی فکر، دل و دماغ بلکہ تمام زندگی سوائے اسلام اور حق و عدالت پرستی کے کچھ نظر نہ آئیگی.

آپ کی عصمت سے قطع نظر کوئی بھی آپ میں نقطہ ضعف پیدا نہیں کر سکتا لہذا اس کے بعد حضرت کی عظیم شخصیت کے سامنے سوائے سر تسلیم خم کرنے اور تعظیم کرنے کے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا، حضرت اپنی جوتیوں میں خود اپنے ہاتھوں سے پیوند لگا رہے تھے کہ ابن عباس پر ایک نظر ڈال کر کہتے ہیں:

> خدا کی قسم میں تم پر حکومت کرنے کی بہ نسبت اپنی اس جوتی کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں ہاں مگر یہ کہ اس حکومت کے ذریعہ حق کو قائم کروں اور باطل کو اکھاڑ پھینکوں۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

> اگر یہ جم غفیر نہ ہوتا اور مدد کرنے والوں کے آجانے سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو جاتی اور خدا نے عالموں سے عہد نہ لیا ہوتا کہ ظالموں کے شکم سیر ہونے اور مظلوموں کے بھوکے رہنے پر چین سے نہ بیٹھیں تو میں اس خلافت کی مہار اس کی گردن پر رکھ دیتا اور آزاد چھوڑ دیتا اور آخر میں بھی وہی کرتا جو اول میں کیا تھا. اور تم دیکھتے کہ تمہاری دنیا میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی گئی گذری ہے۔

تو پھر ہم علی علیہ السلام کی طرف کیوں کھنچتے نہ چلے جائیں؟ ہم بھی آپ کی طرح آپ کی خلافت کی حقانیت کے معتقد ہیں، آپ اپنی خلافت کے متعلق ہونے والی تمام بحثوں میں فرماتے ہیں:

تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں خلافت کا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہوں خدا کی قسم جب تک مسلمانوں کے امور درست رہیں اور میرے سوا کسی پر ظلم نہ ہو تو میں اسے اس کے حال پر چھوڑ دونگا اور مخالفت نہ کرونگا اور اس عمل کی جزا و ثواب خدا سے طلب کرونگا اور اس چیز سے دوری اختیا کرونگا جس سے تم اپنی زینت و آرائش کے لئے ایک دوسرے سے رقابت کرتے ہو۔

اور جس وقت علی علیہ السلام کو یہ کہتے سنیں گے:

اے دنیا مجھ سے دور ہو جا، تو مجھے اپنا جلوہ دکھانا چاہتی ہے یا میری مشتاق ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو میرے دل میں جگہ کر لے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، دوسرے کو فریب دے مجھے تیری ضرورت نہیں ہے تجھے میں نے تین مرتبہ طلاق دی۔

ہمیں ایک ایسا انسان نظر آتا ہے جسکی فکر و روح بلکہ پورا وجود اس مادی دنیا سے ماوراء ہے تو پھر کون ہے جو اسے دوست نہ رکھے، آپ علی علیہ السلام کو دوست نہیں رکھ سکتے، انکی طرف جذب نہیں ہو سکتے اور انکی شخصیت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک انھیں پہچان نہ لیں یہی وجہ ہے کہ مسیحی شاعر کہتا ہے:

اے آسمان گواہی دے اور اے زمین استوار اور متواضع رہ کہ میں علی

کو یاد کر رہا ہوں.

وہ افراد جو علی علیہ السلام سے دشمنی رکھتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو کانٹوں کو چاہتے ہیں اور پھول سے متنفر ہیں، انہیں خوشبو ناپسندیدہ اور بدبو عزیز ہے، تاریکی اچھی لگتی ہے اور اجالے سے نفرت ہے درحقیقت یہ لوگ انسانیت کے حقیقی مفہوم سے آشنا نہیں اس لئے کہ اگر کوئی انسان ہے تو وہ علی علیہ السلام سے دشمنی وکینہ نہیں رکھ سکتا، میں یہ بات جذباتی ہوکر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس صحیح راہ دکھانے والی عقل کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں جو تمام چیزوں کا حساب نہایت باریکی کے ساتھ کرتی ہے.

س: وہ کون سے عوامل تھے جن کی وجہ سے مسئلہ غدیر سے بےتوجہی کی گئی؟

ج: اس وقت کے اسلامی سماج میں بہت سے ایسے عوامل اور تشویش ناک مسائل تھے جن کی بنا پر غدیر جیسا اہم موضوع پوشیدہ رہ گیا. جب خلیفہ دوم کے اس قول کو سنتے ہیں:

> اگر علیؑ زمام امور اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو خوش بختی کی طرف ہدایت کرتے۔

اور تاریخ میں یہ جملہ بھی ملتا ہے کہ علی علیہ السلام نے قریش کے بزرگوں کو قتل کیا لٰہذا وہ علی علیہ السلام کی سرپرستی قبول نہیں کر سکتے تھے ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح حدیث غدیر کو نظرانداز کر کے اسمیں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اگر ہم غدیر کے پوشیدہ رہ جانے یا اس کے نظرانداز کر دیئے جانے کے راز کو جاننا چاہتے ہیں تو غدیر ہی کے زمانے کے بعض واقعات کا جائزہ لینا پڑیگا ہمیں اس بات پر توجہ کرنا ہوگا کہ رسول

خدا ﷺ کی وفات سے پہلے اور آپ کی وفات کے چند برسوں بعد کس طرح کچھ چیزیں جو آشکار اور واضح ہیں نہایت آشفتہ حالت میں اسلامی معاشرے میں داخل ہوئیں اس طرح بعض واقعات اور حقائق کو خفیہ رکھا گیا۔ میں نے واقعہ غدیر پر تامل اور تحقیق کر کے صدر اسلام میں حق کے باطل ہونے اور باطل کو حق کے طور پر پیش کئے جانے کے راز کو سمجھ لیا ہے مجھے اس بات پر اس وقت مزید یقین ہوا جب دیکھا کہ لوگ تحقیق کرنے کے بعد اور حق وحقیقت سے آشنا ہونے میں بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں چنانچہ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ غدیر کو کیوں دبانے اور چھپانے کی کوشش کی گئی ہم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں وہ حقائق جو اظہر من الشمس ہیں بہت تھوڑے عرصے میں پوری طرح سے بھلا دئے جاتے ہیں.

س: کیا حدیث غدیر ان تمام روایات کی ابتدا یا انتہا ہے جو پیغمبر ﷺ کے وصی ہونے کے لئے امام علی علیہ السلام کی صلاحیت پر تاکید کرتی ہیں؟

ج: حدیث غدیر ان روایات کی انتہا شمار ہوتی ہے، میں یہ پوچھتا ہوں کہ کس دلیل کی بنا پر پیغمبر ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں علم وحکمت کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اس کے دروازہ ہیں۔ واضح ہے کہ اسلامی معاشرے کا تقاضا تھا کہ کوئی ایسا شائستہ رہبر زمام امور کو اپنے ہاتھ میں لے جو عوام کو صحیح اسلام سے آشنا کرائے، انکے سوالوں کا جواب دے اور انکی دینی مشکلات کو حل کرے۔

پیغمبر ﷺ کیوں فرماتے ہیں کہ علی علیہ السلام حق کے ساتھ ہیں اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے اور حق اسی طرف ہے جدھر علی علیہ السلام ہیں، اس لئے کہ اسلام کے رہبر کو حق

وحقیقت کا مظہر کامل ہونا چاہئے جیسے علیؑ تھے آپ خود اس کے متعلق فرماتے ہیں:

حق نے میرے لئے کوئی دوست نہ چھوڑا.

کس دلیل کی بنا پر آنحضرت ﷺ علیؑ کے متعلق فرماتے ہیں:

کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔

اور قرآن کے بیان کے مطابق حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ کے معاون اور نائب کی حیثیت رکھتے تھے حضرت موسیٰ نے خدا سے دعا کی پروردگارا میرے گھرانے سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دے اور ان کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط کردے اور اس کو میرا شریک قرار دے تاکہ میں تیرا اور زیادہ ذکر اور تسبیح کرسکوں، اسی طرح رسول خدا ﷺ نے علیؑ کے متعلق اس انداز میں گفتگو فرمائی جو علیؑ کی نسبت آپ کی کامل شناخت اور مکمل آگاہی کی حکایت کرتی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ علیؑ کی نسبت صرف اپنے جذبات اور احساسات کو بیان کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے بلکہ سب سے اہم ذمہ داری علیؑ کی نسبت فکر کو مستحکم کرنا اور آپ کی خصوصیات کو بیان کرنا ہے چونکہ یہ تمام چیزیں پیغمبر ﷺ کے بعد عالم اسلام کی رہبری سے متعلق ہیں.

س: شہید صدرؒ معتقد تھے کہ علیؑ کے زمانہ میں جس شدید ترین بیماری میں مسلمان مبتلا تھے وہ شک اور دودلی تھی، آپ کے خیال میں کیوں ایسا شک پیدا ہوا اور کس طرح اس کی جڑیں مضبوط ہوئیں جب کہ علیؑ پیغمبر ﷺ کے بعد کامل مسلمان

کی واحد نظیر تھے؟

ج: انسان ہمیشہ انسان باقی رہتا ہے لیکن اسلام اور ایمان سے مختلف مقدار میں استفادہ کرتا ہے کبھی پورے اسلام سے، کبھی آدھے اسلام سے اور کبھی ایک چوتھائی اسلام سے بہرہ مند ہوتا ہے اور اس کے متعدد عوامل واسباب ہوتے ہیں جو انسان پر منفی اثر ڈالتے ہیں، دودلی وتردید پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں بھی تھی مثلا جب عباس بن مرداس جنگ حنین میں پیغمبر ﷺ کے ہمراہ غنائم تقسیم کرنے کھڑا تھا جب کہ پیغمبر ﷺ تقسیم غنائم کے امور سے پوری طرح واقف تھے لیکن ,,عباس بن مرداس،، سمجھتا تھا کہ اسے زیادہ حصہ ملنا چاہئے اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا: عدالت سے پیش آیئے! تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر اگر میں عدالت نہ کرونگا تو کون عدالت کرے گا؟

اس طرح کی چیزیں تھیں جس سے منافقین اس وقت کے اسلامی معاشرے کی پیچیدگیوں کی بنا پر شک وتردید کے شکار ہو جاتے تھے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کے پیغمبر ﷺ کی پر برکت زندگی کے اواخر میں اور اس کے بعد کس طرح لوگ امور کو مبہم بنا کر پیش کرنے لگے تھے اس طرح انھوں نے اسلامی سماج میں شک وشبہ کا بیج بو دیا، حدیث غدیر پیغمبر ﷺ کی سب سے واضح حدیث تھی لیکن ہم نے دیکھا کہ اس کے متعلق معاشرے میں کس طرح کی باتیں وجود میں آئیں اور واقعہ کو اس کے اصلی ہدف سے منحرف کر دیا گیا یہاں تک کہ پیغمبر ﷺ دیکھتے تھے کہ لوگ آشکارا اس سے دوری اختیار کر رہے ہیں اور اس طرح باتیں کرتے ہیں کہ گویا مسئلہ ابھی صاف

وروشن نہیں ہوا ہے.

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: مجھے قلم وکاغذ دو تمہارے لئے کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو. اس درخواست کے بعد بھی کچھ لوگوں نے کہا: یہ (پیغمبرؐ) ہذیان کہہ رہا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) اس طرح کی حرکت اس لئے کی گئی کہ پیغمبر ﷺ جس چیز کے متعلق لکھتے اس کے متعلق شک وشبہ کا بیج بوئیں. اور موجود روایات کے مطابق پیغمبر ﷺ سے کہا گیا: کیا آپ کے لئے کاغذ وقلم لائیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا اس بات کے بعد جو تم نے کہی؟ اس کے بعد ایک شخص آیا اور اس نے کہا پیغمبر ﷺ بیہوش ہیں اور ہذیان کہہ رہے ہیں! (نعوذ باللہ من ذالک)

اس طرح مسلمان بہت سی مشکلات اور اس تاریکی کا شکار ہو گئے تھے جو حقیقت کے اجالے کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ امام علی علیہ السلام کے زمانہ میں جو شک وشبہ پیدا ہوا وہ پیغمبر ﷺ کے زمانہ سے کہیں زیادہ اور شدید تھا، اس جگہ شک کرنے یا نہ کرنے سے مراد وہ نہیں ہے جو فرد کی طبیعت کا لازمہ ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد وہ اجتماعی مشکلات اور پیچیدگیاں ہیں جو ثبوت وشواہد کو خلط ملط کر دیتی ہیں اور بالآخر مسئلہ کو اس کے اصلی مقصد سے منحرف کر دیتی ہیں. اور یہی وہ صورت ہے جو ظہور اسلام کے وقت کی بہت سی شخصیات میں نظر آتی ہے اور یہ چیز حسادت اور کینہ سے ہوتی ہے جو حق کی شفافیت کے خاتمہ کا باعث ہوتی ہے اور لوگ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتے ہیں اور باطل سے لڑنے کے نام پر حق سے لڑنے لگتے ہیں یہی

نہیں بلکہ حق کی پشت پناہی کے نام پر باطل کی جانبداری کرنے لگتے ہیں اسکی بہت سی مثالیں ہمارے زمانہ میں بھی موجود ہیں.

س: امام علی علیہ السلام کی سیاسی و قانونی امامت کے اثبات کے لئے آپ کا یہ استدلال اس صورت میں صحیح ہوگا جب حدیث غدیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہوئی ہو، اگر حدیث کی سند کو صحیح مان لیا جائے تو کیا اس سے یہ معنا نکلتا ہے؟

ج: حدیث غدیر ایسی معروف حدیث ہے جو شیعہ اور سنی دونوں ہی کے پاس تواتر کے ساتھ موجود ہے اگر کوئی فرد دلیل و برہان کے ساتھ جستجو کرے تو دلیلیں روشن وواضح ہیں. چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت حجۃ الوداع سے واپس آرہے تھے تو مسلمان بھی آپ کے ہمراہ تھے .اور جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے قافلے جدا ہوتے ہیں تو لوگوں کو ظہر کی نماز کے وقت جمع کیا اور علی علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں میں لیکر اتنا بلند کیا کہ بغل کی سفیدی نمودار ہوگئی اور اس وقت فرمایا:

> کیا میں مومنین پر خود ان سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ تو سب نے کہا: ہاں اس وقت آپ نے فرمایا: پروردگارا تو گواہ رہ، پھر فرمایا: جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔

یہاں پر بعض کہتے ہیں: کہ اس مقام پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد علی علیہ السلام کو دوست رکھنا تھی اسی لئے فرمایا: جس جس کا میں دوست ہوں علی علیہ السلام بھی اس کے دوست ہیں. اس لئے کہ کلمہ مولا کا استعمال لوگوں کے دوست اور ولی امر دونوں کے لئے ہوتا ہے.

یہاں پر یہ کہنا ضروری ہے کہ اولاً: جب ہم واقعہ کی صورت حال پر نظر کریں کہ

پیغمبر ﷺ کا لوگوں کو جمع کرنا وہ بھی اس وقت جب ہوا شدید گرم تھی تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کیا پیغمبر ﷺ نے لوگوں کو صرف اس مطلب کے کہنے کے لئے جمع کیا کہ جس کا میں دوست ہوں علیؑ بھی اس کے دوست ہیں ! واضح ہے کہ اس عمل کا کوئی محل نہیں ہے بلکہ ایسے طبیعی حالات کسی اہم امر کے متقاضی ہیں. ثانیاً: خود پیغمبر ﷺ کا یہ قول کہ کیا میں مومنین پر خود ان سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟ ولایت اور حاکمیت کے مفہوم کو بتاتا ہے اور جب بالخصوص کلمہ مولا سے مومنین کی نسبت خود ان پر زیادہ حق رکھنا مراد ہو تو اس کا مطلب ہی لوگوں کا ولی اور سرپرست ہونا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ حدیث غدیر سے علی علیہ السلام کی امامت پر استدلال کیا جاتا ہے.

س: علی علیہ السلام کی شان میں آیت قرانی کے نزول اور آپ کے بارے میں پیغمبر ﷺ کے موقف کے واضح ہونے اور آپ کی بیعت کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے خیمہ نصب کرنا، یہاں قضیہ واضح ہونے سے آپ کی مراد کیا ہے؟ کیا کاغذ وقلم طلب کرنے سے پہلے یہ مسئلہ واضح نہ تھا؟

ج: میں نے عرض کیا کہ کسی چیز کے واضح ہونے کے مختلف مراتب ہیں. اور غدیر کے مسئلہ میں ہمیں معلوم ہے کہ کس طرح لوگوں نے اپنے ذوق کے مطابق کلمہ مولا کی تفسیر اور واقعہ کی کچھ اور ہی تاویل کی ہے البتہ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو کچھ وہ تاویل وتفسیر کرتے ہیں صحیح ہے. اس لئے کہ پیغمبر ﷺ کی گفتار اور کردار واضح ہے. جب آپ اس موضوع یا کسی دوسرے موضوع کے متعلق لکھنا چاہتے ہیں تو اس سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت شک وشبہ کی راہوں کو پوری طرح بند کر دینا چاہتے تھے کہ ذرہ برابر بھی شک و

شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے میں تو کہتا ہوں نشانیاں اور علامتیں پوری طرح واضح ہیں لیکن وہ نصوص اور تحریریں جن میں تاویل وتفسیر کی ذرہ برابر بھی گنجائش ہی نہیں، وہ زیادہ واضح ہیں. حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہم کو ملتا ہے کہ آپ نے دعا کی:

> پروردگارا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے مجھے دکھا دے، فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے ؟ کہا کیوں نہیں، مگر اطمینان قلب کے لئے دیکھنا چاہتا ہوں۔

یہاں پر حواس ظاہری سے مربوط اشیاء نہایت واضح اور روشن ہیں گرچہ عقل بھی بہت ہی قریبی حواس ہے۔

س: غدیر سے متعلق موجود متواتر احادیث شک وتردید کو ختم کر دیتی ہیں اور اس عظیم اسلامی عید کے متعلق اطمینان ویقین پیدا کر دیتی ہیں لیکن بعض کا کہنا یہ ہے کہ علی علیہ السلام نے اپنے حق خلافت کو لینے کے لئے کیوں اس حدیث سے آشکار اور واضح طور پر استفادہ نہیں کیا؟ آپ کا اس کے متعلق کیا نظریہ ہے؟

ج: علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

> خدا کی قسم! فرزند ابو قحافہ نے خلافت کے پیراہن کو پہن لیا حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیل کا ہوتا ہے میری ذات سے علم کے چشمے جاری ہیں اور میری عظمت ذات تک کوئی نہیں پہنچ سکتا. (نہج البلاغہ خطبہ ۳)

یہ کلام ایک طرف تو واضح کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے خلافت کے متعلق اشارے اور کنایے میں گفتگو کی ہے اور دوسری طرف تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ علی علیہ السلام نے ان اصحاب کو اپنے حق میں گواہی دینے کے لئے بلایا جنہوں نے روز غدیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث غدیر سنی تھی .اور بہت سے افراد نے آپ کے حق میں گواہی دی ،ایک صحابی نے گواہی دینے سے انکار کیا تو وہ برص کے مرض میں گرفتار ہو گیا ،وہ ہمیشہ کہتا تھا میں خدا کے پرہیز گار بندے کی بددعا کی وجہ سے اس بیماری میں مبتلا ہوا ہوں ،امام علی علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ جو بھی گواہی دینے سے انکار کرے وہ برص وجذام میں مبتلا ہو جائے ،اور امام علیہ السلام بہت سی جگہوں پر اشاروں کنایوں میں اور کبھی واضح و آشکار طور پر گفتگو کرتے تھے .امام علیہ السلام اپنی دانش وحکمت اور جو اسلام و مسلمین کی مصلحت کا تقاضا ہوتا تھا اس کے مطابق رویہ اختیار کرتے تھے .

س: بعض کا خیال ہے علی علیہ السلام کے خلیفہ اول کی بیعت کرنے سے بیعت غدیر خود بخود ختم ہو گئی چنانچہ اس کی یاد کو باقی رکھنا اور اس روز جشن منانے کی ضرورت نہیں ہے؟

ج: اگر امام علی علیہ السلام کے خطبہ شقشقیہ پر غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ امام اپنی ظاہری خلافت تک خلافت کو اپنا ہی حق سمجھتے تھے اور جو حالات بعد میں پیش آئے وہ ہرگز آپ کے اپنے حق سے دست بردار ہونے کا سبب نہیں بن سکتے ،آپ کی ولایت خدا کی جانب سے عطا ہوئی ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ نافذ ہوئی ہے چنانچہ شائستہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنے حق سے دست بردار نہ ہوں حقیقت یہ ہے کہ یہاں چشم پوشی کی کوئی

گنجائش ہی نہیں ہے.

جیسا کہ ہم نے کہا اس روز کی یاد منائی جانی چاہئے تا کہ ہم اسکی واقعی قدر منزلت سے آشنا ہو سکیں. اسکی صحیح منزلت یہ ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے امور کا نگراں ہے بلاشبہ اسے اسلام کا کامل نمونہ ہونا چاہئے. اس لئے کہ افضل کے انتخاب کا مسئلہ ہے؛ جس طرح ہم علی علیہ السلام کو یاد کرتے ہیں، اس سے ان لوگوں کو بے اعتبار کرنے کے لئے بحث و مناقشہ مقصود نہیں ہے جنہوں نے علی علیہ السلام پر سبقت کی، اور ہم علی علیہ السلام کو انکی جگہ پر قرار نہیں دینا چاہتے چونکہ علی علیہ السلام اور جن لوگوں نے آپ پر سبقت کی سبھی خدا کے حضور میں ہیں، حقیقت وہی علی علیہ السلام کی فکری، روحی، جہادی اور اعتقادی روش ہے کہ جسے علی علیہ السلام نے اختیار کیا اور ولایت کے راستے پر چلنے کے یہی معنی ہے.

س: حدیث غدیر میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کی ولایت کا اعلان کرتے وقت ہزاروں مسلمانوں کو اکٹھا کیا۔ سوال یہ ہے کہ وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام کی بیعت کرنے والا یہ مجمع کہاں چلا گیا؟

ج: غدیر کے بعد کے حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ لوگ یکسر واقعہ غدیر سے غافل ہو گئے اگر چہ اس وقت بھی ایسی شخصیتیں موجود تھیں جنھیں معاشرے کی تبدیلیوں اور مخالف دھڑے کے سامنے آنے کے بارے میں بنیادی حقائق کا علم ہے اور انھوں نے اس سلسلہ میں کافی گفتگو بھی کی ہے

ہم اسکی دوسری مثال پیش کرسکتے ہیں جو کہ تاریخ میں موجود ہے، لوگوں نے امام حسین علیہ السلام سے بیعت کی اور انکے دل آپ کے ساتھ لیکن تلواریں آپ کے خلاف تھیں۔

س: اگر حضرت علی علیہ السلام باحیات ہوتے تو کیا ان جوانوں سے جو دنیا کے مختلف گوشوں میں نہایت استقامت کے ساتھ عالمی استکبار سے مقابلہ کر رہے ہیں، راضی ہوتے ؟اور اگر امام علی علیہ السلام ہوتے تو بعد کا مرحلہ کیا ہوتا اور مسلم جوانوں کو کون سی راہ دکھاتے؟

ج: اگر حضرت علی علیہ السلام آج ہمارے درمیان ہوتے تو اسی راہ کو جاری رکھتے جو آپؑ نے شروع کی تھی؛ حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کو خدا کی راہ پر چلنے کی دعوت دی، آپ نے خدا کے لئے جہاد کیا، آپ نے خدا کی راہ میں تکالیف ومصائب پر صبر کیا اور خطرات کا تدبیر اور ہوشیاری سے مقابلہ کیا؛ یہ سارے کام آپ نے اسلام کے مفادات کو مدنظر رکھ کر انجام دیئے اگر اامام علی علیہ السلام اس زمانہ میں ہوتے تو بلا شبہ یہ مجاہد، صبور اور بردبار جوان آپ کے اعوان وانصار میں سے ہوتے اور مختلف محاذوں پر ہمارے آج کے جوان آپ کے منصوبوں اور ہدایات پر عمل پیرا ہوتے.

س: امام علی علیہ السلام کی خلافت کے دوران جو فتنے سامنے آئے اس کے متعلق ایک خطیب نے گفتگو کی اور کہا کہ آپ فقیہ، بہادر اور صاحب علم شخص تھے لیکن سیاست نہیں جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی خلافت کے زمانے میں جنگیں ہوئیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: بعض لوگ سیاست کا صحیح مفہوم نہیں سمجھتے ،پہلی بات تو یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام ان سیاست مداروں میں سے نہ تھے جو اپنی حکومت اور اقتدار کے لئے ہر ممکن ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں، بہت سے سیاست دار لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ حاکم رہیں چاہے اس کے لئے امریکا اور اسرائیل سے معاملہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے، چنانچہ

ہم دیکھتے ہیں کہ سیاست داں اپنی حکومت بچانے کے لئے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں بلکہ وہ سب کچھ کرتے ہیں جس سے ان کی حکومت بچ سکے؛ امام علی علیہ السلام کی عظمت یہ تھی کہ وہ رسالت کے واقعی مفہوم کو ثابت اور عملی کریں، وہ ایسے حاکم تھے جو احکام اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تھے چاہے یہ امر انکی حکومت کے خاتمہ کا باعث ہی کیوں نہ ہوتا، حضرت خود اس کے متعلق فرماتے ہیں

> ایسے لوگ بھی ہیں جو جانتے ہیں کہ کس کام کو کس حیلہ اور بہانہ سے نکالا جا سکتا ہے لیکن خدا کے امر اور نہی نے انہیں روک رکھا ہے باوجود اس کے کہ حیلہ گری کے تمام حربوں سے واقف ہیں لیکن ان حیلوں پر عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان پر عمل نہیں کرتے اور ان کے قریب بھی نہیں جاتے ،صرف وہ افراد جو کسی گناہ سے نہیں ڈرتے وہ ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ لوگوں کے امور میں مکر وحیلہ سے کام لیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا جو کہہ رہا تھا علی علیہ السلام معاویہ کی بہ نسبت سیاست نہیں جانتے تھے:

> خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں ہے وہ عہد شکنی اور گناہ کرتا ہے اگر عہد شکنی کو میں پسند نہ کرتا تو میں لوگوں میں سب سے زیرک ہوتا۔

امام علی علیہ السلام سیاست کو اہم اسلامی مسائل کو مستحکم اور شفاف بنانے کے لئے بروئے کار لاتے تھے .آپ نہیں چاہتے تھے کہ سیاست کو لوگوں کو فریب دینے کے وسیلہ

کے طور پر استعمال کیا جائے اور نہ ہی نفسانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بننے پائے،
امام علیہ السلام ہمیشہ فرماتے تھے:

میری اور تمہاری نیت ایک نہیں ہے میں تمہیں خدا کے لئے چاہتا ہوں
اور تم مجھے اپنے لئے چاہتے ہو.

شاید آپ نے بارہا سنا ہو کہ کیوں خلافت علی علیہ السلام کا حق ہے؟ میرا عقیدہ ہے کہ آپ وہ واحد مسلمان ہیں جن کا پورا وجود اسلام ہے۔ آپ اسلامی حقیقت سے پوری طرح واقف تھے، آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زندگی گذاری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ اور بہت سی دوسری مشکلات کی بنا پر اسلامی معیار اور خصوصیات کو لوگوں کے دلوں میں پوری طرح جاگزیں نہیں کر سکے اور نہ ہی اپنے مشن کو بطور کامل اجرا کر سکے اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ایسے فرد کی ضرورت تھی جو آپ ہی کی طرح آپ کے راستے کو جاری وساری رکھے اور ایسا فرد سوائے حضرت علی علیہ السلام کے اور کوئی نہ تھا یہی وجہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت علی علیہ السلام کا فطری حق تھا.

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام کی یہ ذمہ داری تھی کہ اسلام کی پشت پناہی کریں. اور یہی وجہ تھی کہ جن خلفاء نے آپ کو حق خلافت سے محروم کر دیا تھا ان سے آپ نے تعاون کیا اور خود کو دائرہ خلافت کے اندر اور باہر ذمہ دار محسوس کیا۔ اس کے پیش نظر امامت کا کردار بھی وہی ہے جو نبوت کا تھا بس فرق یہ ہے کہ منصب پیغمبری نہیں ہے جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے. چنانچہ علی علیہ السلام کی ذمہ داری یہ تھی کہ حق پر قائم

رہیں تا کہ اسلامی احکام کے متعلق صحیح فکر عطا کر سکیں، آپؑ اپنی زندگی میں جن مشکلات کے متحمل ہوئے ان سب کی وجہ صرف یہ تھی کہ اسلامی مفاہیم اور اقدار کو کس طرح لوگوں تک پہنچائیں.

س: آپ کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اخبار (الحیاۃ) کو اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ امام علی علیہ السلام کی ولایت قطعی اور یقینی نہیں ہے؟

ج: یہ جھوٹ بلکہ سراسر بہتان ہے۔ میں نے کہا تھا کہ: روز غدیر اور دوسرے موقعوں پر رسول خداؐ کا علی علیہ السلام کو بعنوان جانشین انتخاب کرنا میرے لئے بطور قطع ثابت ہے، بحث یہ تھی کہ یہ موضوع فکری اور نظری موضوعات میں سے ہے جس کے متعلق شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف ہے شیعہ قاطعیت سے اس پر عمل پیرا ہیں اور غدیر کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں لیکن اہل سنت کو اس کے متعلق شک ہے یہی وجہ ہے کہ ماضی میں بہت سی بحثیں اور مناظرے ہوئے ہیں. اسی طرح ان دونوں طبقوں کے درمیان بڑا فرق ہے جن میں ایک اسے فکری اور نظری اور دوسرا اسے بدیہی سمجھتا ہے کہ جس میں بحث کی گنجائش نہیں ہوتی.

تمام علماء دین معتقد ہیں کہ یہ موضوع فکری موضوعات میں سے ہے اور بلا شبہ شیعہ علماء کی طرف سے اس کے اثبات میں دلیل اور برہان پیش کرنے کی ضرورت ہے گرچہ اہل سنت علماء کو اسکی رد میں دلیلیں پیش کرنی چاہئے. شیعہ بالعموم حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بلافصل ہونے پر یقین رکھتے ہیں.

س: خلفا کے ۲۵ سالہ دورِ حکومت میں امام علی علیہ السلام کا کردار کیا تھا؟

ج: حضرت علی علیہ السلام اس زمانہ میں سب سے اہم کردار ادا کر رہے تھے چونکہ آپ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ جس طرح خلافت ان کے ہاتھ میں رہنے پر وہ امیر المومنین ہیں اسی طرح خلافت سے محروم رہتے ہوئے بھی امیر المومنین ہیں حکومت ان کے ہاتھ میں رہے یا نہ رہے پورے اسلام کی ذمہ داری آپ کے سر ہے چنانچہ جن خلفا نے آپ کو آپ کے حق سے محروم کر دیا اور آپ کے حق کو غصب کر لیا تھا آپ نے کوئی امید رکھے بغیر ان سے تعاون کیا آپ نے مشورے، ہدایتیں اور نصیحتیں فرمائیں تا کہ وہ جن مشکلات میں گرفتار ہیں ان کا حل نکل سکے، امام علی علیہ السلام اور دوسروں میں فرق یہ تھا کہ امام علی علیہ السلام کا وجود مظہر اسلام تھا اور آپ کی ذمہ داری بھی وہی تھی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی بس آپ کے پاس منصب پیغمبری نہ تھا اسی بنیاد پر آپ نے فرمایا: جب تک مسلمانوں کے امور میں کوئی رخنہ نہ پڑے اور میرے سوا کسی اور پر ستم نہ ہو تو میں صبر کروں گا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام خلفا کو نصیحت کرتے تھے چنانچہ نقل ہوا ہے کہ حضرت نے عثمان کا دفاع کیا یہی نہیں بلکہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو بھی ان سے دفاع کے لئے بھیجا۔ اس عمل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے حق سے دست بردار ہو گئے بلکہ ہدف اسلام اور امت اسلامی کی مصلحت کی رعایت کرنا تھا۔ امام علیہ السلام کی اس سیرت و روش سے ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم بھی امام علی علیہ السلام کی طرح وسعت نظر کشادہ قلبی اور اعتقادات کے تحفظ کی راہ میں پائداری کا ثبوت فراہم کریں جیسا کہ

حضرت علی علیہ السلام اپنی ظاہری خلافت سے پہلے اور بعد میں کیا۔

س: مدینہ کی اہمیت کے باوجود کیا چیز باعث بنی کہ امام نے کوفے کو مرکز خلافت قرار دیا؟

ج: جس وقت امام بصرے سے واپس آئے تو عالم اسلام کے موجودہ حالات کا تقاضا تھا کہ کوفہ کو مرکز بنائیں تا کہ حکومت کے اطراف و جوانب پر پوری طرح نظر رکھ سکیں۔

س: شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو خلیفہ منتخب کیا؛ کیا علی علیہ السلام نے اپنے کلام میں اس موضوع کی طرف اشارہ کیا ہے؟ کیا کوئی ایسی معتبر سند موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اپنے خلیفہ منتخب ہونے کے متعلق کہا ہو؟

ج: امام علی علیہ السلام سے بہت سی حدیثیں موجود ہیں جس میں آپ نے لوگوں سے کہا ہے کہ خلافت کے متعلق انہوں نے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے بیان کریں.

تاریخ وروایات میں ملتا ہے کہ ایسا صحابی جو غدیر خم میں موجود تھا اور اس نے غدیر میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں رسول کریم کا ارشاد سنا تھا اس نے گواہی دینے سے انکار کر دیا تو حضرت علی علیہ السلام کی بدعا سے برص کی بیماری میں گرفتار ہو گیا اور یہ صحابی ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ مجھے خدا کے صالح بندے کی بددعا لگی ہے.

اسی طرح امام نے اپنے خطبات اور تقریروں میں خلافت کے لئے اپنی حقانیت

کے متعلق بارہا فرمایا ہے. واضح ہے کہ مستحق ہونا پیغمبر ﷺ کا رشتہ دار ہونے کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت نص قرانی اور متعدد شیعہ اور سنی کتب تفاسیر اور حدیث غدیر وغیرہ ہیں جو سب کے سب بہت ہی واضح طور پر علی علیہ السلام کی حقانیت کو ثابت کرتے ہیں.

س: اہل تشیع کا عقیدہ کہ امام منجانب خدا منصوب ہوتا ہے اور یہ رسالت کا تسلسل ہے، پھر کیسے امام علی علیہ السلام اپنے اس حق سے دست بردار ہو گئے جب کہ پیغمبرؐ کو اپنی رسالت ترک کرنے کا حق نہیں تھا؟ کیا امامت نبوت کی طرح نہیں ہے؟

ج: امام علی علیہ السلام کو ان کا حق نہ مل سکا لیکن آپ اپنے حق سے دست بردار ہوئے بلکہ آپ نے اس کے متعلق سکوت اختیار کرلیا چونکہ اسکا مطالبہ اعوان وانصار کی طبیعت کے ساتھ ناسازگار تھا بظاہر آپ نے اپنے حق سے چشم پوشی اختیار کر لی، اسکی دلیل خود آپ کا کلام ہے جیسا کہ آپؑ فرماتے ہیں:

> ''اور جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اسلام سے پھر جائیگا اور دین محمدؐ کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے گا تو مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام و مسلمین کی مدد نہ کروں گا تو دین میں رخنہ یا ویرانی کا سامنا کرنا پڑے گا جو میرے لئے حکومت سے محروم ہو جانے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھا،،

یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی بعض اوقات سخت مشکلوں اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا جنکی بنا پر وہ ناچار ہوکر اپنی سرگرمیاں وقتی طور پر بند کر دیتے تھے کیونکہ بعض اوقات حالات کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ کچھ وقفے کے لئے سکوت اختیار کرلیا جائے۔

س: کیا حدیث غدیر حکم الٰہی ہے یا اس کا مقصد صرف خلافت کے لئے کسی کو امیدوار بنانا تھا کہ لوگ اسے قبول کرلیں؟

ج: غدیر میں خلافت کے لئے کسی کو امیدوار بنانا مورد نظر نہیں بلکہ خاص فرد کو حکم خدا سے اس منصب پر نصب کرنا ہے، جیسا کہ خود پروردگار عالم فرماتا ہے:

اے پیغمبر ﷺ جو تم پر تمہارے خدا کی طرف سے نازل ہو چکا ہے لوگوں تک پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کوئی کار رسالت انجام نہ دیا. پروردگار عالم تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

(سورۂ مائدہ ۶۷)

چنانچہ اس واقعہ میں انتصاب اور لزوم کا پہلو پایا جاتا ہے جسکے متعلق پروردگار عالم فرماتا ہے:

آج ہم نے تمہارے دین کو تم پر کامل کر دیا اور اپنی نعمتوں کو تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ (سورۂ مائدہ ۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علی علیہ السلام خود پروردگار عالم اور رسول خدا ﷺ کی جانب سے منصب خلافت پر نصب کئے گئے تھے بلکہ اس منصب پر آپؑ کا انتصاب عین حق و حقیقت ہے۔ پروردگارا ہمیں ان کی ولایت اور شفاعت سے محروم نہ فرمانا.

س: بعض محققین نہج البلاغہ کو امام علی علیہ السلام کا کلام نہیں مانتے وہ یہ کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ مختلف معنوی اور مادی علوم کا خزانہ ہے اور یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ دیگر صحابہ میں سے کوئی دوسرا علم کے اس اعلیٰ درجہ پر فائز نہ ہو اور صرف حضرت علی علیہ السلام کو ہی علم حاصل

ہو؟ منکرین نہج البلاغہ کا کہنا ہے کہ یہ کتاب حضرت علی علیہ السلام کے بعد لکھی گئی ہے اس سلسلہ میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟

ج: جو لوگ اس طرح کی بات کرتے ہیں وہ علی علیہ السلام کی ذات گرامی سے آشنا نہیں ہیں ۔اس لئے وہ علی علیہ السلام متعلق بھی دیگر صحابہ کی طرح گفتگو کرتے ہیں جب کہ علی علیہ السلام کی منزلت کا ان سے کوئی مقائسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ علی علیہ السلام علم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رسائی کی راہ ہیں چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے:

انا مدینة العلم و علی بابها

میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں،

اس علم کے متعلق حضرت کا مشہور قول یہ ہے آپ نے فرمایا:

علمنی رسول الله الف باب من العلم

''رسول خدا نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے''

یہاں پر ,,الف باب،، ہزار مطلب کے معنی میں نہیں ہے؛ بلکہ علمی موضوعات کے ہزار باب مراد ہیں ,,باب،، کے معنی اتنے وسیع ہیں کہ مختلف موضوعات سے متعلق علم کی وسیع شاہراہوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے. چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"علمنی رسول الله الف باب من العلم یفتح لی من کل باب الف باب"

رسول خداؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے جس کے ہر باب سے ہزار باب کھلتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف علم حاصل نہیں کیا بلکہ سب

کچھ رسول خدا سے سیکھا، آپ اپنے علم سے نئے علوم استخراج بھی کرتے تھے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

"یفتح لی من کل باب الف باب"

جس کے ہر باب سے ہزار باب کھلتے ہیں

حضرت علی علیہ السلام قرآن ورسول خداؐ کے شاگرد تھے جب قرآن نازل ہوتا تھا تو اسی وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آکر آپ کو قرآن کا علم عطا کر دیتے تھے آپ نے رسول اللہ سے وہ علم حاصل کیا جو رسول خداؐ کے سوائے کسی اور کے پاس علم نہیں تھا؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا:

"انک تری ما اری و تسمع ما اسمع ولکنک لست بنبی".

"جس چیز کو میں دیکھتا ہوں اسے تم بھی دیکھتے ہو اور جس چیز کو میں سنتا ہوں اسے تم بھی سنتے ہو بس تم پیغمبر نہیں ہو".

آپ ہمیشہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے اسی لئے فرماتے ہیں:

انا اعرف کل آیت این نزلت و فیمن نزلت

مجھے معلوم ہے کہ قرآن کی کون سی آیت کس وقت اور کس کے لئے نازل ہوئی.

قرآن حکیم ایسی واضح کتاب ہے کہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس طرح اس سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور اسے درک کرتے ہیں گویا ابھی نازل ہوئی ہے .وہ کتاب چاند اور سورج کی طرح باقی ہے باقی

رہیگی اور ہر نسل قرآن کو اپنی مشکل کا حل سمجھتی ہے؛ حضرت علی علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرماتے تھے:

"سلونی قبل ان تفقدونی فانی بطرق السماء اعرف منی بطرق الارض"۔

"مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ تم مجھ کو کھو بیٹھو. میں آسمان کے راستوں سے زمین کے راستوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہوں".

اسی طرح پروردگار عالم کی معرفت کے متعلق حضرت فرماتے ہیں:

لو کشف لی الغطاء ما ازددت یقینا

اگر پردے اٹھالئے جائیں تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا.

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے متعلق فرمایا:

انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی ؛

تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آیگا.

جب ہم انسان کے بطور پر حضرت علی علیہ السلام کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو آپ کو ایک کامل انسان پاتے ہیں لیکن جب ہم حضرت کی ان توانائیوں اور صلاحیتوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جو خدا نے انھیں بطور خاص عطا کی تھیں تو ہمیں ایسے آفاق اور عوالم نظر آتے ہیں جن سے لوگ واقف نہیں ہیں اسی بنا پر اگر حضرت علی علیہ السلام مستقبل اور غیر معمولی اشیاء کے بارے میں خواہ وہ مادیات میں سے ہوں یا معنویات میں سے، گفتگو کریں اور لوگ اسے سمجھنے سے قاصر رہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس زمانے

کے لوگوں کو خاص معلومات حاصل نہیں تھیں، نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ علم و دانش کے ان اعلی ترین مدارج پر فائز تھے جن کے بارے میں عقل انسانی سوچ بھی نہیں سکتی۔ نہج البلاغہ کے بعض مفسرین اور شارحین کا کہنا یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کو متعدد علوم سے روشناس کرایا اور مختلف علوم کی بنیاد رکھی ہے یہاں یہ کہنا قطعا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کا کلام تمام الہی اور بشری علوم کا سرچشمہ ہے.

س: علی علیہ السلام کی خلافت کے متعلق ایک شخص سے گفتگو ہوئی کہنے لگا علی علیہ السلام کے متعلق جو کچھ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ قرآن سے تناقض رکھتا ہے. قران فرماتا ہے:

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذاتی خواہش کی بنا پر کلام نہیں کرتے بلکہ جو کہتے ہیں وہ وحی خدا کے سوا کچھ نہیں ہوتا جو کہ آپ پر نازل ہو چکا ہوتا ہے۔

بہت سے موضوعات ہیں جن کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ وہ مستقبل میں واقع ہوں گے. اور آپ کی وفات کے بعد ہوا بھی وہی؛ لیکن علی علیہ السلام کی خلافت عمل میں نہ آئی، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی تھی اور اگر آپ نے فرمایا ہوتا تو یقیناً ہو کر رہتی؟

ج: اس سوال کرنے والے کو مسئلہ سے جس طرح آشنائی ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے، چونکہ علی علیہ السلام کے متعلق پیغمبر نے جتنی باتیں کہی تھیں ان میں سے اکثر شیعہ اور سنی کے یہاں تواتر کی حد تک موجود ہیں اور حدیث غدیر کو بھی اصحاب اور تابعین نے تواتر کی حد

تک روایت کیا ہے۔ اہل سنت کے یہاں بحث حدیث کے موضوع پر دلالت کے بارے میں ہے نہ کہ موضوع کی حقیقت کے متعلق چونکہ یہ ساری باتیں روز غدیر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمائی ہیں.

جہاں تک مسئلہ کلام خدا کا ہے کہ خدا فرماتا ہے (آپ اپنی نفسانی خواہشات کی بنا پر کلام نہیں کرتے) یہ اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کی خلافت کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کلام کرنا الٰہی فریضہ کی بنا پر تھا نہ کہ آپ نے ان کی خلافت کا اعلان اپنے چچازاد بھائی ہونے کی بنا پر کیا تھا، اور عملاً واقع ہونا صرف خلافت علی علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے بلکہ تمام اسلام سے متعلق ہے جیسا کہ پروردگار عالم فرماتا ہے:

قل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر

کہہ دیجئے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے لہذا جو بھی چاہے ایمان لائے اور جو بھی چاہے کفر اختیار کرے.

لہذا پورے اسلام کا محقق نہ ہونا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا علی علیہ السلام کے متعلق روایتیں بیان کرنا دو الگ موضوع ہیں. چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو صلاحیت، فضیلت اور برتری کی بنیاد پر صاحب حق کو اس کے حق تک پہنچانا چاہتے تھے اس سوال کرنے والے کو میرا مشورہ ہے کہ اپنی معلومات اور فکر کے متعلق نظر ثانی کرے.

س: بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ جو روایتیں علی علیہ السلام کے متعلق نقل ہوئی ہیں ان کی اس طرح تفسیر کی جائے کہ اس سے فکری اور نظریاتی (آئیڈیالوجیکل) قیادت کا مفہوم نکلے نہ کے سیاسی قیادت کا، اس کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟.

ج:فکری رہبری سے مراد یہ ہے کہ امام علی علیہ السلام صرف ایک دانشور اور مفکر ہیں جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی امامت و رہبری سیاسی رہبری ہے جس کی دلیل حدیث غدیر ہے، جس کا پیغمبر نے اس جملہ سے آغاز کیا ہے: کیا میں خود مومنین پر انکی بہ نسبت زیادہ حق نہیں رکھتا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کلام مسلمانوں کی جانوں پر حاکمیت رکھنے پر دلالت کرتا ہے اور مومنین کی بہ نسبت آنحضرتؐ زیادہ سزاوار ہیں.اس لئے ان کے پاس اتنی قدرت ہے کہ جن چیزوں کے وہ مالک نہیں ہیں ان میں دخل وتصرف کریں.یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن میں ایسی شخصیت کے حامل بتائے گئے ہیں جو دعوت اور بشارت دینے کے لئے بھیجی گئی ہے.

فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمسیطر

پس آپ ان کو نصیحت کیجئے کیونکہ آپ نصیحت کرنے والے ہیں اور ان پر مسلط نہیں ہیں،،(سورۂ غاشیہ ۲۹)

چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے دوسرے عنوان بھی قرآن میں بیان ہوئے ہیں:

"انا ارسلنا ک شاھدا ومبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا".

"اے پیغمبرؐ ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا اور (عذاب خدا سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ خدا کے اذن سے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے والے اور روشن چراغ ہیں"۔(سورۂ احزاب آیت ۴۵۔۴۶)

یہاں پر سراجاً منیراً سے مراد فکری اور روحی قیادت کرنا ہے

یعلمهم الکتاب و الحکمة

انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔(سورۂ جمعہ آیت۲)

اسی طرح آپ کی حکومتی شخصیت بھی بیان ہوئی ہے جو درحقیقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی شخصیت ہے اور پروردگار عالم کے فرمان میں واضح طور پر نظر آتی ہے:

النبی اولی بالمومنین من انفسهم

نبیؐ خود مومنین کی نسبت انکے نفسوں پر زیادہ حق رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حالات میں بھی یہی فرمایا:

الست اولی بالمومنین من انفسهم

کیا میں خود مومنین کی نسبت ان پر زیادہ حق نہیں رکھتا؟ جس کے جواب میں سب نے کہا: ہاں یارسولؐ اللہ۔

پھر آپ نے فرمایا:

اللهم اشهد ؛من کنت مولاه فهذا علی مولاه

خدایا شاہد رہ؛ جس کا میں مولا ہوں علی علیہ السلام اس کے مولا ہیں

دوسرے لفظوں میں جسکی نسبت بھی میں اولی اور اس پر زیادہ حق رکھتا ہوں علی علیہ السلام بھی اولی اور اس پر اس سے زیادہ حق رکھتے ہیں، پروردگارا جو بھی علیؑ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح کی روایات شیعہ اور اہل سنت نے مختلف انداز میں نقل کی ہیں. ہر ایک اور بالخصوص اہل سنت حضرات کے لئے ضروری ہے کہ اس موضوع پر تحقیق کریں. اس لئے کہ شیعہ اس چیز پر عقیدہ رکھتے ہیں جو قرآن

میں آئی ہے:

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ.

اے رسولؐ جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہو چکا ہے لوگوں تک اسے پہنچادو اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کار رسالت انجام نہ دیا (سورۂ مائدہ ۶۸).

اس آیت کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت علیؑ کے متعلق نازل ہوئی ہے. اور جب علیؑ کو پیغمبرﷺ نے خدا کے حکم سے جانشین اور خلیفہ چن لیا تو دوسری آیت نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ (سورۂ مائدہ آیت ۳)

چنانچہ جس امامت و رہبری کے ہم معتقد ہیں اسمیں روحانی، فکری، معنوی اور سیاسی قیادت سب ہی شامل ہیں علیؑ کا معصوم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت کی فکر اور ولایت حق ہے. خود حضرت فرماتے ہیں: حق نے میرے لئے کوئی دوست نہیں چھوڑا اور پیغمبرﷺ نے بھی آپ کے متعلق فرمایا: علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے اور حق ادھر چلتا ہے جدھر علیؑ چلتے ہیں.

س: کیا علی علیہ السلام کو غدیر خم میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے خلیفہ معین کیا جانا ایسا امر تھا کہ جسمیں تبدیلی نہ ہو سکے یا اسمیں تبدیلی ممکن تھی؟ دوسرے الفاظ میں امام علی علیہ السلام کا خلیفہ معین کیا جانا ثابت امر ہے یا متغیر کہ جس پر دوسرا افرد بھی فائز ہوسکتا ہے؟

ج: جب ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم کی بنا پر علی علیہ السلام کو اپنا جانشین معین فرمایا:

یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته

اے پیغمبرؐ خدا کی طرف سے جو آپ پر نازل ہو چکا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجئے.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ایک ثابت امر ہے اور اسمیں کسی تغیر کا امکان نہیں ہے. چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار کے متعلق جو معرفت ہم رکھتے ہیں اس کے مطابق بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتخاب کر لینے کی نہیں تھی بلکہ یہاں خدا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ علی علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرما دیں اور اسکی تاکید بھی فرما دیں حضرت کے پاس جو صلاحیت موجود تھی اس کے مطابق آپ کی خلافت ثابت امر ہے تاہم جب مسلمانوں میں اس کے متعلق اختلاف ہوا تو خلافت ایک بحث انگیز مسئلہ میں تبدیل ہو گئی بہر حال یہ ہمارے نزدیک ثابت ہے اور اسمیں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے.

س: شیعہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لاکھ مسلمانوں کی موجودگی میں علی علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا جن میں سے سوائے چار یا پانچ افراد کے کوئی باقی

نہیں رہا کیا یہ کہنا منطقی ہے؟

ج: جب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ حالات نے کس طرح رخ بدلا، افکار ونظریات میں کیسے تبدیلیاں آئیں، حقائق کو کس طرح مسخ کیا گیا، جیسا کہ آج کے زمانے میں بھی ہمیں ایسی بہت سی چیزیں نظر آتی ہیں اور ہم ان کا تجربہ کرتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ اجتماعی امور میں موثر عوامل اس سمت میں حرکت کرتے ہیں جسے عوام پسند کرتے ہیں لہذا حقائق سے رائے عامہ کی توجہ ہٹانے کے لئے بہت سے ہتھکنڈے خواہ وہ گفتگو کی حد تک ہی کیوں نہ ہوں اپنائے جاتے ہیں،

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جس کا مولا ہوں علی علیہ السلام بھی اس کے مولا ہیں؛ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مجھے دوست رکھتا ہے اسے علی علیہ السلام کو دوست رکھنا چاہئے اور جس کا میں مددگار ہوں اعلی علیہ السلام بھی اس کے یاور ہیں؟ یعنی جسکی بہ نسبت بھی میں خود اس پر اس سے زیادہ حق رکھتا ہوں علی علیہ السلام بھی خود اسکی بہ نسبت اس سے زیادہ سزاوار ہیں یہی حاکمیت کے معنی ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ صریح ہے نہ کہ تاکید، مشکل یہ ہے کہ حدیث غدیر ان احادیث میں سے ہے کہ جسے شیعہ اور سنی نے نہایت وسیع پیمانے پر نقل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل سنت حضرات گر چہ موضوع کے متعلق تو بحث کرتے ہیں لیکن اسکی سند اور مصدر کے متعلق بحث نہیں کرتے جب کہ اس کے متعلق بھی ضروری تحقیق ہونی چاہئے، جس وقت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کی داستان پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو بزرگ ہستیوں کے لئے مسلمانوں کے دل میں ایسا عشق پیدا کیا جو مٹنے والا نہیں ہے اور جتنا ممکن ہوا اپنی رفتار وگفتار سے ان کی

محبت کو لوگوں کے دلوں میں مستحکم کیا بطور مثال: جب امام حسین علیہ السلام نے اہل کوفہ کی بیعت کے بعد کوفہ کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا تو راستے میں آپ کی ملاقات فرزدق نام کے ایک شخص سے ہوئی انہوں نے آپ سے کہا: لوگوں کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن لوگوں کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں.

اس طرح کے حالات اور واقعات کو ہم نے عراق و لبنان میں دیکھا ہے اور دنیا کے مختلف مقامات پر اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے چونکہ لوگوں کی اکثریت جذباتی ہو کر قدم آگے بڑھاتی ہے لیکن نتیجہ پر نہیں پہنچتی اور اس طرح کے مشاہدے مورد نظر بحث پر دلیل ہیں کہ غدیر کے واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد کس طرح بے توجہی ہوئی اور رخ موڑ دیا گیا!

س: روایت ہے کہ علی علیہ السلام نے خلیفہ اول کو مخاطب کر کے فرمایا:

"لقد كان لنا حق لقرابتنا من رسولؐ الله"

"بلاشبہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے کچھ حق و حقوق تھے"

اگر علی علیہ السلام کی شان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کوئی نص موجود ہوتی جس کا کہ آپ دعوا کرتے ہیں تو حضرت علی علیہ السلام نے اس سے استناد کیوں نہ کیا اس بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

ج: اولاً تو یہ ثابت ہو کہ علی علیہ السلام نے یہ بات کہی ہے پھر اس موضوع کا تجزیہ کریں ،ہم کسی بھی کلام کی نسبت علی علیہ السلام کی طرف نہیں دیتے مگر یہ کہ وہ علمی روش جیسے علم رجال

اورعلم درایت کی بنیاد پر ثابت ہو چکا ہو، علی علیہ السلام جانتے تھے کہ قرابت اور رشتہ داری خلافت کے لئے قانونی دلیل نہیں بن سکتی وگرنہ علی علیہ السلام کے زمانہ میں دوسرے بھی تھے کہ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتے میں آپ کی برابری کر سکتے تھے جیسے ابن عباس، جعفر، عبداللہ بن عباس اور ان کے بھائی عبید اللہ، قثم بن عباس یہ سب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور بالخصوص جناب عباس جو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اور وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علی علیہ السلام کی نسبت زیادہ نزدیک تھے.

علی علیہ السلام عمیق بصیرت اور وسیع افکار کے مالک تھے لہذا ممکن نہیں ہے کہ آپ اس طرح کلام فرمائیں چنانچہ یہ روایت درست نہیں ہے چونکہ قرابت امامت اور ولایت کے لئے بنیادی دلیل نہیں بن سکتی .میرے خیال میں اہل بیت علیہم السلام کی امامت اور رہبری قرابت کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ ان خصوصیات کی بنا پر تھی جو رہبری کے لئے ہونی چاہئے اور وہ سب آپ میں موجود تھیں چنانچہ شاعر کہتا ہے:

کانت مودت سلمان لهم رحما

لم یکن بین نوح و بنه رحم

اگر واقعی لیاقت اور شائستگی کے بغیر صرف قرابت کا مسئلہ ہوتا تو اسے حقانیت کا معیار قرار دینا درست نہیں تھا .بطور مثال پروردگار عالم نے ابولہب کے متعلق جس طرح فرمایا ہے اس طرح ابوجہل کے متعلق کچھ نہیں کہا، جب کہ دونوں ہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء میں سے تھے اسی طرح قرآن مجید میں پروردگار عالم حضرت ابراہیم کے جواب میں فرماتا ہے:

قال و من ذریتی کہا اور میری ذریت سے فرمایا: **لا ینال عھدی الظالمین** میرا منصب ظالموں کو نہیں ملتا سورہ بقرہ ۱۲۴

اور حضرت نوحؑ کو بھی اسی طرح جواب دیا: وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے وہ نا صالح عمل ہے۔

س: مشہور ہے کہ پیغمبر ﷺ پڑھنا اور لکھنا نہیں جانتے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام علیؑ کی تربیت ﷺ کی آغوش میں ہی ہوئی تو پھر امام علیؑ کیسے پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے؟ جبکہ ﷺ لکھ سکتے تھے! امام علیؑ نے کس سے پڑھنا اور لکھنا سیکھا؟

ج: ﷺ کی عظمت اور جلالت یہ ہے کہ آپ ایک ایسی کتاب کے ساتھ لوگوں کے درمیان تشریف لائے جس نے پڑھنے اور لکھنے والوں کو عاجز کر دیا، لیکن ساتھ ہی آپ پڑھنا جانتے تھے، پروردگار عالم نے فرماتا ہے:

وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون

''قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے تم لکھا کرتے تھے، ایسا ہو" تو یہ جھوٹے ضر (تمہا نبوت میں) شک کرتے۔(سو عنکبوت ۸)

امام علیؑ کے استاد ﷺ تھے اور ان کے متعلق یہ نقل ہوا ہے کہ آپ نے کسی کے پاس لکھنا اور پڑھنا سیکھا ہو، اور آپ نے کس طرح پڑھنا اور لکھنا

سیکھا خدا ہی جانتا ہے ممکن ہے خدا نے آپ کو عطا کیا ہو جیسا کہ فرماتے ہیں: رسول خدا ﷺ نے مجھے علم کے ہزار باب عطا کئے جس کے ہر باب سے میرے لئے ہزار باب کھل گئے، پیغمبر ﷺ شہر علم اور علی علیہ السلام اس کے دروازہ ہیں. یعنی پیغمبر ﷺ اس شہر کے مالک ہیں اور علی علیہ السلام اس کے دروازے پر کھڑے ہیں جو اس شہر میں داخل ہونا چاہتا ہو اسے اندر جانے کی اجازت آپ سے لینی ہوگی.

س: بیعت غدیر سے کیا سبق حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس زمانہ میں اس کا کیا فائدہ ہے؟

ج: غدیر کے واقعہ سے جو سب سے اہم سبق حاصل کیا جاسکتا ہے وہ رہبری کے متعلق صحیح فکر کی ترویج ہے، رہبری کو اس سے متعلق تمام عقلی، نفسیاتی اور اجرائی مسائل کے ہمراہ وحی سے مربوط سمجھائے اور رہبر پورے اسلام کے لئے آئینہ ہو، ہمیں چاہئے کہ رہبر کے متعلق بہتر سے بہتر کے انتخاب کی طرف آگے بڑھیں، جب ہم پیغمبر ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ جب علی علیہ السلام کی ولایت کی مخالفت اور لوگوں کے منفی رویہ کا سامنا کرنا پڑا تو گرچہ وہ آپؐ کے داماد اور چچازاد بھائی بھی تھے لیکن آنحضرتؐ نے ایسی روش اختیار کی کہ پروردگار عالم کے یہاں جوابدہ ہوسکیں لہٰذا حق کو پورے عزم وارادے کے ساتھ بیان کیا. اسی طرح امام علی علیہ السلام کی شخصیت بھی خلافت سے پہلے اور حلافت کے بعد دونوں ہی وقتوں میں روحی اور معنوی اقتدار وعظمت کی حامل تھی اور آپؐ نے مشکلات کے مقابلہ اور حق کی ترویج میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کی.

س: اگر کوئی شخص دین اسلام کو اختیار کرلے تو کیا ضروری ہے کہ شہادتین کے بعد بیعت کرے! چونکہ افریقا میں کچھ اسلامی تنظیمیں اس بنیاد پر بیعت جیسے عمل کو انجام دیتی ہیں کہ یہ عمل پیغمبر ﷺ کے زمانے میں انجام دیا جاتا تھا، اور اپنے قبیلوں کے دانشوروں کی بیعت کرتے ہیں؟

ج: بیعت؛ اسلام قبول کرنے کی شرط نہیں ہے اور جو بھی لا الـه الا اللـه ، محمد رسول الله کہے وہ مسلمان ہے اور دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح وہ بھی اسلام میں داخل ہے. گرچہ بیعت کا دوسرا مفہوم بھی ہے پیغمبر ﷺ مسلمانوں سے بیعت لیتے تھے تاکہ مسلمان عملی طور پر اپنے کئے ہوئے وعدوں کے پابند رہیں. پیغمبر ﷺ پہلے مرحلے میں پیغمبر ہیں پھر رہبر اور اس کے بعد فرمانروا ہیں۔ پیغمبر ﷺ خود مومنین کی بہ نسبت سزاوار اور ان پر زیادہ حق رکھتے ہیں. اس بنیاد پر بیعت کا ہدف رہبری کی پابندی ہے جو انسان کو احساس ذمہ داری دلاتی ہے. یہی وجہ تھی کہ پیغمبر ﷺ نے اسلام کی عملی طور پر پابندی کے لئے مسلمان مرد و زن سے بیعت لی اور جس طرح پیغمبر ﷺ ان کے مسلمان ہونے کو بنیاد قرار دیکر ان پر استدلال کرتے تھے اسی طرح ان کے عملی شکل میں پابندی کرنے پر بھی ان کے بیعت کرنے کو بطور استدلال پیش کرتے تھے . چنانچہ پیغمبر ﷺ کی شخصیت دو پہلو کی حامل ہے؛ ایک پہلو رسالت یعنی وحی کا حامل ہونا اور دوسرا پہلو قائد و حاکم ہونا ہے۔

النبی اولی بالمومنین من انفسهم

نبیؐ خود مومنین کی نسبت زیادہ سزاوار ہیں.

رسول کے عنوان سے آپ شہادت قبول کرتے اور حاکم کے عنوان سے بیعت لیتے تھے لہذا بیعت قیادت کے لئے ہے۔ چنانچہ اگر اسلامی قیادت لائی جائے تو بیعت قیادت کی اطاعت پر تاکید شمار ہوگی۔

س: بعض خطباء کہتے ہیں: لولا علی لما خلق رسول اللہ اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق نہ ہوتے! کیا یہ کفر نہیں ہے؟

ج: یہ کلام بے معنی ہے، جس طرح ہمیں علم ہے کہ علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاگرد اور آپ کے پروردہ ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت آدم کی سب سے باعظمت اولاد ہیں اور علی علیہ السلام بھی اسی زمرہ میں ہیں اس لحاظ سے بعض لوگ زیادہ روی کر جاتے ہیں لیکن علی علیہ السلام اس طرح کی تمام باتوں کو رد کرتے ہیں. اگر نہج البلاغہ پڑھیں تو سمجھ میں آئیگا کہ علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس طرح عظمت اور بزرگی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

اذا کان اشتد الباس لذنا برسول اللہ ولم یکن احد اقرب من العدو منه .

جب جنگ بہت شدید ہوتی تھی تو ہم رسول خدا کی پناہ میں ہوتے تھے اور آپ سے زیادہ کوئی دشمن کے نزدیک نہ ہوتا تھا.

اکثریت کی مشکل یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہچانتے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اساس، بنیاد، استاد اور مربی ہیں، حضرت علی علیہ السلام کی ذات انکی عظمت کا مظہر ہے اور کیوں نہ ہو کہ علی علیہ السلام کی شخصیت کی تعمیر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی اور علی علیہ السلام کے پاس علم و دانش، فکر و

نبوغ جو کچھ بھی ہے وہ پیغمبر خدا ﷺ کا عطا کردہ؛ مولائے کائنات فرماتے ہیں:

علمنی الف باب من العلم یفتح لی من کل باب الف باب

رسول خدا نے علم کے ہزار باب مجھے عطا فرمائے جس کے ہر باب سے ہزار باب مجھ پر کھل گئے۔

کان یضمنی الی صدره و یشمنی عرفه و کان یلی الیی فی کل یوم من علمه خلقا.

وہ مجھے اپنے سینے سے لگا لیتے تھے اور اپنی خوشبو سے معطر فرماتے تھے اور ہر روز مجھے اپنے علم سے بہرہ مند کیا کرتے تھے۔

س: خدا حکم دیتا ہے: اے پیغمبر ﷺ جو آپ کے خدا کی طرف سے آپ پر نازل ہو چکا ہے اسے پہنچا دیجئے ،اس آیت کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ پروردگار عالم نے پیغمبر ﷺ کو دھمکی دی کہ آپ لوگوں سے یہ کہیں: آپ کے بعد علی علیہ السلام خلیفہ اور جانشین ہیں ممکن ہے کوئی اس تفسیر کو سنے اور اپنے آپ سے کہے کہ پیغمبر ﷺ اس حکم کے ابلاغ سے پہلے بھی تبلیغ کا یہ وظیفہ رکھتے تھے لیکن اپنی مرضی سے اس پر سکوت اختیار کر رکھا تھا.کیا یہ استدلال پروردگار عالم کے اس قول سے منافات نہیں رکھتا کہ پیغمبر ﷺ اپنی خواہش اور ہوائے نفس کی بنیاد پر کلام نہیں کرتے بلکہ وحی کے مطابق گفتگو کرتے ہیں؟

ج: آیت کے مفہوم میں دھمکی نہیں ہے .لیکن خدا اس امر کی اہمیت کو بتانا چاہتا ہے کہ اسے انجام نہ دینے کی صورت میں رسالت پائمال ہو جائیگی کیونکہ اسلام کی رہبری کی راہ وہی ہونی چاہیئے جو پیغمبر ﷺ کی تھی ، یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حکم کو نافذ نہ کریں گے بلکہ پروردگار عالم اس کے متعلق تم سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا جا چکا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دو تا کہ اس کا بنیادی اور حیاتی عنصر ظاہر ہو جائے چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور پیغمبری کو اس راہ میں ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس پر چلے اور اس کی حفاظت کرے۔

س: آیت ﴿فان لم تفعل﴾ سے جو ہم سمجھتے ہیں اس کے پیش نظر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں علی علیہ السلام کی ولایت و جانشینی کا اعلان نہیں کرنا چاہتے تھے جبکہ آپ کو معلوم تھا کہ ولایت کا اعلان دین کے کامل اور نعمت کے تمام ہونے کا باعث ہے؟

ج: کون کہتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کام کے انجام دینے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے جب کہ یہ پروردگار عالم کا حکم تھا؟ اور جو مورد بحث آیت میں پروردگار عالم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی ہے کہ آپ کے لئے مشکلات پیش آئیں گی اور کچھ لوگ اس آیت کے اعلان کے بعد مخالفت کریں گے لیکن پروردگار عالم آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا تو یہ اس معنی میں نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو انجام نہیں دینا چاہتے تھے اور پروردگار عالم نے آپ کو دھمکی دی البتہ بعض غلطی سے اس طرح کی تفسیر کرتے ہیں.

س: علی علیہ السلام کی ولایت پر حدیث غدیر سے استدلال اس وقت صحیح ہے کہ جب سند کے لحاظ سے حدیث میں کوئی خدشہ نہ ہو اور حدیث بلا اشکال ہو اور تمام مسلمان اس پر متفق ہوں کیا اہل سنت اس حدیث کو قبول کرتے ہیں؟ کیا کسی نے ابھی تک حدیث کی

سند میں شک کیا ہے؟

ج: جب ہم حدیث کی کتابوں کی چھان بین کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شیعہ حدیث غدیر پر اجماع رکھتے ہیں اور اہل سنت کے یہاں یہ حدیث شہرت کی حد تک ہے اور بعض اسے متواتر سمجھتے ہیں لہذا حدیث کی سند ثابت ہے اور اسمیں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اگر اختلاف اور بحث وجدل ہے تو عبارت کے ایک حصہ اور الفاظ پر ہے: مثلا **اللهم اخذل من خذله وانصر می نصره** بعض راویوں نے ان الفاظ پر شبہ ظاہر کیا ہے جبکہ بعض نے ان الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے یوں اس کے متعلق بعض راویوں نے بیان کیا ہے اور بعض نے اس کی تصحیح کی ہے، کس درجہ مضحکہ خیز اور غم انگیز ہے کہ کچھ لوگ حدیث غدیر کی سند کے متعلق شک وتردید کی نسبت میری طرف دیتے ہیں ،چونکہ میری بعض باتوں کو وہ کتاب ''الندوۃ'' میں پڑھتے ہیں لیکن حسد اور عدم تقوی کی بنا پر میری طرف ان باتوں کی نسبت دیتے ہیں.

میں نے کہا ہے کہ اہل سنت حدیث غدیر کی سند میں شک نہیں کرتے ہمیں اس امر کی تحقیق کرنی چاہئے؛ مجھ سے اس جگہ سوال کیا گیا تھا کہ غدیر خم میں ایک لاکھ بیس ہزار افراد موجود تھے تو بعد میں یہ سب کہاں چلے گئے؟ اور صرف چار یا پانچ آدمیوں نے حدیث غدیر خم پر گواہی دی؟ میں نے اس سوال کے جواب میں کہا تھا حدیث غدیر میں کسی اعتبار سے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے تاہم اس امر کی تحقیق کی جانی چاہئے کہ ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمع میں کیسے چار پانچ لوگ باقی رہ گئے؟ لوگوں نے میری اس بات کو سند حدیث کی طرف موڑ دیا اور اصل موضوع کی طرف توجہ نہ کی اور نہ ہی میری

کتاب غور سے پڑھی یہاں تک کہ میں نے بزرگ علماء کی خدمت میں سوالات ارسال کئے لیکن ان بزرگوں نے مجھ سے استفسار کرنے یا میری کتاب پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ موضوع اور مقام بحث پر توجہ کئے بغیر گمراہ کن فتوے صادر فرما دئے کیا یہ مضحکہ خیز اور دردانگیز نہیں ہے؟!

بہر حال راویان حدیث نے حدیث غدیر میں کسی قسم کے شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا ہے اگر اس حدیث میں لوگوں نے بحث کی ہے تو وہ کلمہ مولا پر کی ہے۔۔

س: غدیر کے روز شیعہ جشن مناتے ہیں جب کہ اہل سنت نہ صرف اس روز جشن نہیں مناتے بلکہ اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے ،اور ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ امامت کو اور اہل سنت خلافت کو مانتے ہیں ،اور یہ سلسلہ ۱۴۰۰ سال سے ایسے ہی چلا آرہا ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے نزدیک نہیں ہونا چاہتا۔اس صورت میں مختلف مذاہب کے لوگ کیسے ایک دوسرے کے نزدیک ہوسکیں گے اور انمیں اتحاد پیدا ہوسکے اور مسلمان دوستانہ زندگی گذار سکیں گے ؟بالخصوص سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ دشمن نہ تو شیعوں کی امامت کو اور نہ ہی سنیوں کی خلافت کو قبول کرتا ہے لہذا کس بنا پر ہم غدیر کے متعلق گفتگو کریں اور اتحاد جیسے اہم مسئلہ کو فراموش کردیں؟

ج: پچاس سال سے ہم لوگوں کو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وائمہ علیہم السلام کی احادیث کی پیروی کی دعوت دے رہے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ اسلامی اتحاد کا کوئی ثابت اور پائدار آئیڈیل نہیں ہے۔اس معنی میں کہ مسلمان کچھ مسائل جو کہ خاص اہمیت کے حامل ہیں

جیسے خلافت اسمیں اپنے اختلاف کا منطقی اور علمی طریقے سے جائزہ لیں ؛یعنی بغیر کسی شک وشبہ کے اتحاد کو علمی روش پر افہام وتفہیم کی غرض سے آگے بڑھتے رہنا چاہئے اس لئے کہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا باقی رہنا اس وبائی مرض کی طرح ہے جو پھیل بھی سکتا ہے اس لئے صاحبان علم اور دانشوروں کا فریضہ یہ ہے کہ ان مسائل کا علمی زاویہ سے جائزہ لیں .اور یاد رکھیں کہ غیر علمی ،مذہبی وتعصبی بنیادوں پر شور شرابا پسندیدہ امر نہیں ہے کیوں کہ اس طرح عوام ان مسائل کو ویسے نہیں سمجھ سکتے جیسے خدا اور رسول چاہتے ہیں.

ارشاد خداوندی ہے:

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذالک خیر واحسن تاویلا.

اگر کسی بات پر تمہارے درمیان اختلاف نظر ہو اور تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس امر میں خدا اور پیغمبر کی طرف رجوع کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کی راہ سے بہت اچھا ہے۔(سورۂ نساء ۵۹)

اگر چہ ہمارے درمیان بعض مسائل میں اختلاف پائے جاتے ہیں اس کے باوجود ہم مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی دعوت دیتے ہیں

بلا شبہ عالم اسلام میں کچھ ایسے بنیادی مسائل ہیں کہ جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے جیسے خدا کی وحدانیت ،روز قیامت ،اسلامی عبادات کے ارکان ،اکثر اسلامی

مفاہیم بلکہ ہمارے درمیان سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اہم اسلامی مسائل میں اختلاف نہیں ہے. لہذا اس مسئلے کو ہمارے درمیان رکاوٹ نہیں بننا چاہئے ،مسلمانوں نے پراکندگی کے سایہ میں اتحاد کا تجربہ کیا ہے. اہل سنت بھی ایک نہیں ہیں ان کے درمیان بھی معتزلہ،اشاعرہ،حنفی،شافعی،حنبلی اور ظاہری ہیں جبکہ یہ سب کے سب سنی ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان کینہ نظر نہیں آتا اسی طرح شیعہ بھی متعدد ہیں. چنانچہ اگر ممکن ہو تو اس حساس دور میں آگاہی کی طرف قدم بڑھائیں اور اس سے بھی اہم مسائل کو مد نظر رکھیں چونکہ عالمی استکبار صرف شیعوں کا یا صرف سنیوں کا صفایا نہیں چاہتا بلکہ وہ تو پورے اسلام کا صفایا چاہتا ہے۔

س: کیا گزشتہ ادیان میں بھی واضح مذہبی احکام سے سرپیچی کی گئی ہے؟ جس طرح کہ واقعہ غدیر کے متعلق مسلم الثبوت روایتیں موجود ہیں اور اس کی سند سب پر واضح ہے لیکن اس سے سرپیچی کی گئی؟

ج: گزشتہ ادیان میں شاید اس طرح کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا لیکن نصوص میں تحریف اور ردو بدل کیا گیا ہے.

س: بہت سی روایتوں میں حضرت علی علیہ السلام کو حضرت ہارون سے تشبیہ دی گئی ہے کیا اسکی وجہ نیابت اور قیادت سپرد کرنا ہے یا لوگوں کے اپنے قائد سے سرپیچی کرنے کی بنا پر تشبیہ دی گئی ہے؟

ج: قران میں حضرت موسی کی زبانی ارشاد ہوا ہے:

میرے کنبہ والوں میں میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے اور
اس کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط کردے اور میرے کام
میں اس کو میرا شریک بنا تا کہ ہم دونوں مل کر کثرت سے تیری تسبیح
کریں۔ (سورۂ طہ ۲۹-۳۴)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں حضرت علی علیہ السلام کو حضرت ہارون سے تشبیہ دی ہے وہاں آپؐ پیروان ہارون کی سرتابی کی طرف اشارہ نہیں فرمار ہے ہیں بلکہ حضرت علی علیہ السلام سے آپ کا یہ فرمانا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمھیں میری نسبت وہی منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی بس یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا یعنی یہاں پر حضرت نے نیابت اور خلافت کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی تم نبی نہیں ہو بلکہ میرے وزیر یعنی خلیفہ ہو۔

س: میں آپ کے اہل سنت بھائیوں میں سے ہوں اور حنفی مذہب کا پیرو ہوں اور آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب امام علی علیہ السلام خلافت کے لئے دوسروں سے بہتر تھے تو کیوں حق حاصل کرنے کے لئے آپ نے قیام نہ کیا؟ کیا آپ کا سکوت آپ کی مخالفت تھی؟

ج: امام علی علیہ السلام فرماتے تھے:

جب تک مسلمانوں کے امور درست رہیں اور سوائے میرے کسی اور
پر ظلم نہ ہو تو میں مسالمت آمیز رد یہ رکھوں گا. (خطبہ ۷۴)

امام علیہ السلام اس زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان وحدت کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے

چونکہ اس زمانہ میں ممکن تھا امام علی علیہ السلام کا کوئی بھی اس طرح کا اقدام مسلمانوں کی پراکندگی اور انتشار کا باعث ہوتا بلکہ ممکن تھا پورے عالم اسلام کی نابودی کا باعث ہوتا آپ فرماتے ہیں:

"مجھے کسی چیز نے رنجیدہ نہ کیا مگر سوائے لوگوں کے فلاں کی طرف (مقصود ابوبکر ہیں) جانے اور انکی بیعت کرنے نے، میں نے بھی بیعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، لیکن دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اسلام سے پلٹ جائیگا اور دین محمدؐ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا چاہتا ہے تو میں ڈرا کہ اگر میں اسلام اور مسلمانوں کی مدد نہ کروں تو دین میں رخنہ یا ویرانی دیکھنی پڑے گی جو تم پر حکومت کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے سے کہیں زیادہ دردناک تھا اور وہ ایسی حکومت جو چندروزہ تھی اور سراب کی طرح زائل ہو جاتی، ان بادلوں کی طرح تھی جو یکجا ہونے سے پہلے ہی پراکندہ ہو جاتے ہیں، بہر حال میں اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ باطل نابود ہو گیا اور دین کو اطمینان وسکون ملا اور پائدار ہو گیا"۔ (نہج البلاغہ کتاب ۶۲)

حضرت علی علیہ السلام کی خاموشی اسلام و مسلمین کی بقا کے لئے تھی.

س: آپ نے اپنی ایک کتاب میں کہا ہے کہ علی علیہ السلام ہماری طرح تھے چنانچہ ان سے خطا سرزد ہونے کا امکان تھا، اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

ج: میں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی ہے بلکہ میں نے حضرت کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

فلا تکفوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطئ ولا آمن ذالک من فعلی الا ان یکفی اللّٰہ من نفسی ما هو املک به منی۔

تم اپنے کو حق کی بات کہنے اور عدل کا مشورہ دینے سے نہ روکو کیوں کہ میں تو اپنے کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا کہ خطا کروں[۱] اور نہ اپنے کسی کام کو لغزش سے محفوظ سمجھتا ہوں مگر یہ کہ خدا میرے نفس کو اس سے بچائے کہ جس پر وہ مجھ سے زیادہ اختیار رکھتا ہے"۔ (بحار الانوار ج ۳۴ ص ۵۶۸)

میں نے مولا کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہا کہ حضرت علی علیہ السلام ہر طرح کی خطا سے مبرا ہیں کیونکہ آپ ہمارے عقیدے کے مطابق معصوم ہیں لیکن آپ عوام کو یہ

۱۔ علامہ مفتی جعفر صاحب مرحوم: یہ امر کسی تصریح کا محتاج نہیں ہے کہ عصمت ملکی اور ہے اور عصمت بشری اور ہے فرشتوں کے معصوم ہونے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ان میں کسی خطا و لغزش کی تحریک ہی پیدا نہیں ہوتی مگر انسان کے معصوم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انمیں بشری تقاضے اور نفسانی خواہشیں ہوتی ہیں۔ مگر وہ انھیں روکنے کی ایک خاص قوت رکھتا ہے اور ان سے مغلوب ہو کر کسی خطا کا مرتکب نہیں ہوتا اور اسی قوت کا نام عصمت ہے کہ جو ذاتی خواہشات و جذبات کو ابھرنے نہیں دیتی حضرت کے ارشاد: فانی لست فی نفسی بفوق ان اخطئ (میں اپنے نفس کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا کہ خطا کروں)

بتانا چاہتے تھے کہ آپ کی روش پر غور کریں اور آئندہ کے حکمرانوں کا احتساب کرنے سے نہ گھبرائیں (کیونکہ اہل بیت) کے علاوہ جس نے بھی مسند خلافت سنبھالی غیر معصوم تھا حضرت علی علیہ السلام لوگوں کو اس امر سے واقف کرانا چاہتے تھے ورنہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت معصوم اور منصوص من اللہ ہیں.

س: امام علی علیہ السلام اہل علم و معرفت کو دوست رکھتے تھے اور ان کے ہمنشین تھے ،جبکہ نادانوں اور جاہلوں کے خلاف آپ نے جنگ کی ہے، لیکن آپ ہمیشہ فرماتے ہیں نادان دشمنوں کے ساتھ گفتگو اور مذاکرات کرنا چاہیئے، اس سلسلہ میں کیا آپ ،قرآن مجید کی اس آیت **وجادلهم بالتي هي احسن** بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو کا سہارا لینا چاہتے ہیں (سورۂ مومنون ۹۸)؟

ج: حضرت علی علیہ السلام سے بڑھکر آپ کو کون گفتگو اور مذاکرات کرنے والا ملے گا

میں انھیں بشری تقاضوں اور خواہشوں کی طرف اشارہ ہے (مگر یہ کہ خدا میرے نفس کو بچائے) میں عصمت کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اسی لب لہجہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی قران میں وارد ہوا ہے کہ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی (میں اپنے نفس کو گناہ سے پاک نہیں ٹھہراتا کیونکہ انسان کا نفس گناہ پر بہت ابھارنے والا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے تو جس طرح یہاں پر الا مارحم ربی کا جو استثناء ہے اس کی وجہ سے آیت کے پہلے جزو سے آپ کی عصمت کے خلاف دلیل نہیں لائی جاسکتی اسی طرح امیر المومنین کے کلام میں الا ان یکفی اللہ کا جو استثناء ہے اس کے ہوتے ہوئے کلام کے پہلے ٹکڑے سے آپ کے غیر معصوم ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ورنہ ایک نبی کی عصمت سے بھی انکار کرنا پڑیگا، (مترجم)

آپ نے خوارج کے خلاف ان کی جہالت کی بنا پر تلوار نہیں اٹھائی بلکہ اسلامی حکومت کے خلاف ان کی بغاوت اور اسلامی معاشرے میں فتنہ پھیلانے کی وجہ سے آپ نے خوارجکے خلاف جنگ کی یاد رہے خوارج نے خباب اور انکی زوجہ کو قتل کر کے فتنے کا آغاز کیا تھا، آپ خود نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

''میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا اس لئے کہ جو شخص حق کا طالب ہو لیکن غلطی کر بیٹھے وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو باطل کی تلاش میں ہو اور اسے پالے''۔

امام علی علیہ السلام نے خوارج کے ساتھ بات کی اور ان کے تمام نظریوں کا جائزہ لیا اور ان سے کہا کہ اگر میں خطا کار ہوں (البتہ علی علیہ السلام سے خطا ممکن نہیں) تو کیوں میری وجہ سے امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گمراہ کر رہے ہو اور کیوں تمام لوگوں سے جنگ کر رہے ہو، کون شخص ہے جو اس سطح پر آ کر گفتگو کر سکتا ہے یعنی اس قدر وسعت قلبی سے پیش آ سکتا ہے آپ کی عظمت و بزرگواری کی دلیل یہ ہے کہ آپ رسول خداؐ کے بعد پہلے شخص ہیں جس نے مخالفین سے گفتگو و مذاکرات کی راہ اختیار کی، آپ نے اپنا وجود اسلام و مسلمین کے لئے وقف کر رکھا تھا آپ فرماتے ہیں:

جب تک مسلمانوں کے امور درست رہیں اور میرے سوا کسی اور پر ظلم نہ ہو اس سے کنارہ کش رہوں گا اور مخالفت نہ کروں گا.

لیکن اکثر لوگوں کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ امام علی علیہ السلام کو صرف تلوار اور نیزہ چلانے والا سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں آپ صرف مرد کارزار تھے جبکہ یہ لوگ آپ کے کلام سے غافل ہیں آپؑ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم میں نے ایک دن بھی جنگ کو التوا میں نہیں ڈالا مگر اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آ کر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور یہ چیز گمراہی کی حالت میں انھیں قتل کر دینے سے مجھے کہیں زیادہ پسند ہے اگر چہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہر حال یہ خود ہوں گے (نہج البلاغہ خطبہ ۵۵ ترجمہ علامہ مفتی جعفر صاحب)

حضرت علی علیہ السلام جنگ کے طالب نہ تھے بلکہ آپ گمراہوں کی ہدایت اور انہیں راہ راست پر لانا چاہتے تھے اور آپ نے جو جنگیں لڑیں وہ ایک طرح کا دباؤ تھا کہ شاید اس کے ذریعہ لوگ ہدایت پا جائیں اور اس اسلام کی طرف پلٹ آئیں کہ جس کے خود آپ مظہر تھے، علی علیہ السلام کی شخصیت میں پوری توجہ کے ساتھ غور و فکر کرنا چاہئے لیکن اکثر لوگ آپ کو صحیح طرح سے نہیں سمجھ سکتے اے کاش علی علیہ السلام کے جلسے اس زمانہ میں یا آئندہ میں ہوتے! کیا آج کل بہت سے سوال ایسے نہیں ہوتے کہ جو علی علیہ السلام سے پوچھے جاتے تھے جیسے میرے سر میں کتنے بال ہیں......؟!

س: آپ نے فرمایا کہ جو لوگ ولایت علی علیہ السلام پر عمل پیرا ہیں اور آپ کی تأسی کرتے ہیں وہ علی علیہ السلام سے کچھ نہیں سیکھتے اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟

ج: میں ان لوگوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا جن کو علی علیہ السلام کی ہمہ گیر شخصیت سے سبق حاصل کرنا چاہئے مگر مشکل یہ ہے کہ وہ حاصل نہیں کرتے اور بہت سے لوگ سماج میں موجود پست دائروں میں زندگی گذارتے ہیں اور اپنی تنگ نظری، روحی اور سماجی

دشواریوں کی بنا پر اسی دائرے میں بند ہو کر رہتے ہیں اور کسی سے سروکار نہیں رکھتے، جبکہ علی علیہ السلام ایسے لوگوں سے بحث مناظرہ کرتے تھے جو واقعی گمراہی میں تھے. چنانچہ آپ اکثر و بیشتر خوارج اور طلحہ و زبیر جیسے افراد سے بحث و جدل کیا کرتے تھے اور جب امام علی علیہ السلام کو کسی سے فکری اختلاف ہوتا تھا تو گرچہ آپ جانتے تھے کہ اسکی فکر غلط ہے لیکن اس سے بحث کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ اس کو مطمئن کردیں. چنانچہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ جس سے بھی ہم کو فکری لحاظ سے اختلاف ہوا سے فوراً ملحد و بے دین بنادیں اور کفر و گمراہی جیسے الزامات لگادیں، چونکہ اس طرح پیش آنا کمزور، متعصب اور تنگ نظر لوگوں کا وطیرہ ہے۔

آج کے موجودہ قائدین میں کس کو خوارج جیسے مخالفین کا سامنا ہے؟ یا علی علیہ السلام کی طرح عمر، ابوبکر، عثمان، طلحہ و زبیر اور معاویہ جیسی مشکلات سے روبرو ہے؟ لیکن جب ہم علی علیہ السلام کو دیکھتے ہیں تو آپ ہمکو ایسی ذات نظر آتے ہیں جو عظیم اور روشن فکر کا مالک ہو، آپ نرمی کے ساتھ عقلی اور منطقی طریقے سے بات کرتے ہیں، اس زمانے میں کتنے لوگ ہیں جو علی علیہ السلام کی طرح ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بعض لوگ کو جیسے ہی کچھ لوگوں سے بعض مسائل میں اختلاف ہوتا ہے اسے دائرہ اسلام سے خارج کردیتے ہیں؟! اس کلام سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ علی علیہ السلام سے اسلام کو وسعت قلبی کے ساتھ حاصل کریں۔

س: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ یا علی! سوائے مومن کے تمہیں کوئی دوست نہ رکھے گا اور سوائے منافق کے تم سے کوئی دشمنی نہ کرے گا کیا یہ علی علیہ السلام سے مخصوص ہے یا اسمیں رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیاء اور ائمہ اطہار علیہم السلام بھی شامل ہیں؟

ج: امام علی علیہ السلام اسلام کے مظہر اور آئیڈیل ہیں جس وقت آپ کی طرف اس کلام سے اشارہ کیا جاتا ہے: **لایحبک الا مومن** تو یہ سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے کہ مومن ہمیشہ ایسے شخص کی دوستی کا طالب ہے کہ جس کی فکر، قلب اور زندگی اسلام کو بہترین اور کامل ترین شکل میں مجسم کر دے لہٰذا جو بھی مظہر ایمان ہو یہ دوستی اور محبت اس سے متعلق ہے.

س: امام علی علیہ السلام حکومت وقت کو دو پہلو سے دیکھتے تھے، آپ ایک مرتبہ تو اسے اپنی پھٹی جوتی سے بھی گئی گذری کہتے ہیں اور دوسری جگہ حکومت کے چلے جانے پر افسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے، اور میری منزلت اور مقام اس قدر بلند ہے کہ کسی کا طائر فکر وہاں تک پرواز نہیں کرسکتا میری ذات سے علم کے چشمے جاری ہوتے ہیں، آپ ان بظاہر متضاد روایتوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

ج: امام علی علیہ السلام کی حکومت کے متعلق روش واحد اور مشخص ہے لیکن اس کی دو صورتیں ہیں: ایک کے مطابق ابن عباس سے کہتے ہیں:

> کیا میری جوتی دیکھ رہے ہو؟ (آپ اس وقت اپنی جوتی سی رہے ہوتے ہیں) تم پر حکومت کرنے سے زیادہ اس جوتی کی اہمیت میرے لئے ہے ہاں مگر کسی حق کو قائم کروں یا کسی باطل کو مٹا ڈالوں۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

> اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے

وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ
نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی
گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں (ناقۂ) خلافت کی
باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی
پیالے سے سیراب کرتا جس سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا
اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ
نا قابل اعتنا پاتے۔

(ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج اب ۳)

یعنی اگر حکومت نفسانی خواہش کی وجہ سے ہو تو پھٹی ہوئی جوتی کی طرح ہے اور اگر احقاق حق کے لئے ہو تو چکی کے کیل کے مانند ہے.

س: بعض اہل سنت علماء کا کہنا ہے کہ اگر شیعوں کی یہ بات مان بھی لی جائے کہ رسول خدا نے غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ معین فرمایا تھا، لیکن امام علی علیہ السلام کا اپنے ماقبل تین خلفاء کی بیعت کر لینا انکی خلافت کے قانونی ہونے پر دلالت کرتا ہے تو پھر کیوں شیعہ نصوص پر تاکید کرتے ہیں اور علی علیہ السلام کے تینوں خلیفہ کی بیعت کر لینے کی بنیاد پر روایات سے دست بردار نہیں ہو جاتے؟ اور جب صاحب حق نے اپنے حق سے چشم پوشی کر لی تو آپ کیوں اصرار کرتے ہیں؟

ج: حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ اور دیگر خطبوں میں صراحت کے ساتھ سقیفہ میں جو کچھ ہوا اسکو مسترد کیا، آپ نے استفہامیہ انداز میں اس مسئلہ کو پیش کیا ہے، آپ

فرماتے ہیں:

انصار کیا کہتے تھے؟ لوگوں نے کہا وہ کہتے تھے کہ ایک ہم میں سے امیر ہو جائے اور ایک تم میں سے، حضرت نے فرمایا: تم نے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ رسولؐ اللہ نے وصیت فرمائی تھی کہ انصار میں جو اچھا ہو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور جو برا ہو اس سے درگذر کیا جائے،، لوگوں نے کہا اس میں ان کے خلاف کیا ثبوت ہے آپ نے فرمایا کہ اگر حکومت و امارت ان کے لئے ہوتی تو پھر ان کے بارے میں دوسروں کو وصیت کیوں کی جاتی؟ پھر حضرت نے پوچھا قریش نے کیا کہا؟ تو لوگوں نے کہا: انہوں نے شجرۂ رسولؐ سے ہونے کی وجہ سے اپنے حقدار ہونے پر استدلال کیا، تو حضرت نے فرمایا: انہوں نے ہم شجر ہونے سے تو استدلال کیا لیکن اس کے پھلوں کو ضایع و برباد کردیا۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۶۵ مترجم علامہ مفتی جعفر صاحب)

امام علیہ السلام نے کبھی بھی اس واقعہ کے قانونی جواز کا اقرار نہیں کیا، اور اگر ثابت ہو جائے کہ آپ نے بیعت کی ہو تو بیعت کی علت سیاسی دباؤ ہوگا جو کہ خلافت کے قانونی نہ ہونے پر دلیل ہے چنانچہ خلافت کسی بھی صورت میں قانونی نہیں تھی.

س: مورخین انقلاب اور انقلاب کے بعد حکومت چلانے کے درمیان تضاد کے قائل ہیں مورخین کا کہنا ہے کہ رسول خدا کے بعد حضرت علی علیہ السلام حکومت نہیں چلا سکتے تھے اسکی دلیل خود حضرت کا اقرار ہے کہ آپ کا وزیر ہونا امیر ہونے سے بہتر ہے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کو ثابت

کر کے بعض صحابہ کی مذمت کرنا چاہتے تھے؟ یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سب اس لئے کیا تھا کہ مستقبل میں لوگوں کی وفاداری اور عہد شکنی سے کھرے اور کھوٹے کو پہچانا جا سکے اور مخلص افراد الگ ہو جائیں اور بہت مختصر لوگ ہی علی علیہ السلام کے ہمراہ رہیں؟

ج: ہم ان کے انقلاب اور اس کے بعد حکومت کرنے کے درمیان تضاد کے نظریہ کو قبول نہیں کرتے اس لئے کہ جب علی علیہ السلام کی فکر اور آپ کے اخلاص کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت کس درجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطابقت رکھتی تھی چنانچہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی علیہ السلام آتے تو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ حکومت تھا جو آپ کی سیرت و اخلاق تھا اسی کو اسلامی سیاست کا محور قرار دیتے اور سارے امور ایسے ہی انجام پاتے جیسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں انجام پاتے تھے.

اور پھر آپ کی خلافت کے زمانہ میں جب آپ نے مالک اشترؒ کو مصر کا والی بنا کر بھیجا اس وقت آپ کی روش کا جائزہ لیا جائے کہ آپ کس طرح اپنے کارگزاروں کے ساتھ پیش آئے، تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ اگر خلافت علی علیہ السلام کو ملتی تو غیر معمولی کامیابی نصیب ہوتی اور لوگوں کو صحیح منزل پر پہنچاتے، چونکہ اس زمانہ میں عالم اسلام کی سطح پر کوئی مشکل موجود نہیں تھی. اسی طرح پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا فرد نہ ملے گا کہ جو علی علیہ السلام کی ولایت کے مسئلہ میں بحث و جدل کرے، اور جن لوگوں نے بحث کی وہ بعض اصحاب تھے کہ جن کے نام کو تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے نیز وہ افراد جو اس طرح کی بحث سے مستفید ہوتے ہیں ان کے یہاں بھی کوئی ایسی آواز نہیں سنیں گے. چنانچہ جب انصار و مہاجرین کی عورتیں جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی عیادت کے لئے آئیں تو حضرت فاطمہ سلام

اللہ علیہا کا رد عمل قابل توجہ ہے اور پھر آپ کا وہ ملال جو سب کا سب موجودہ حاکمیت سے خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کو بیان کرتا ہے۔ مدینہ کی عورتوں سے آپ نے یہ فرمایا:

شب و روز اس حال میں گزارتی ہوں کہ تمہاری دنیا سے بیزار اور تمہارے مردوں سے ناراض ہوں.

اس وقت ان کے شوہروں نے کہا اگر علی علیہ السلام بیعت سے پہلے وہاں موجود ہوتے تو ہم ان کی بیعت کر لیتے، ان شواہد اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علی علیہ السلام کی بیعت میں کوئی مشکل نہیں تھی اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود اپنے بعض صحابہ کی سرزنش نہ تھی بلکہ آپ چاہتے تھے کہ علی علیہ السلام کی ولایت کو پوری دنیا میں محکم اور استوار کر دیں.

الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

آیت اللہ العظمی سید محمد حسین فضل اللہ سے درج ذیل ایڈرس پر رابطہ کیا جا سکتا ہے:

bayynat@bayynat.org.lb

آپ کی ویب سائٹ کے ویزٹ کیلئے:

http://bayynat.org.lb